لیکٹرانک میڈیا میں ابھرتے رجحانات

(اردو اور ہندی پروگراموں کا مطالعہ)

مقالہ برائے پی ایچ ڈی

مقالہ نگار

طارق اقبال صدیقی

نگراں

پروفیسر ایس۔ایم۔عباس شارب

ہندوستانی زبانوں کا مرکز

جواہر لعل نہرو یونیورسٹی

نئی دہلی

जवाहरलाल नेहरू विश्वविद्यालय
JAWAHARLAL NEHRU UNIVERSITY
School of Language, Literature, & Culture Studies
NEW DELHI-110067, INDIA

Centre of Indian Languages

Dated : 04.01.2000

DECLARATION

I declare that this Thesis titled **"Emerging Trends in Electronic Media (A Study of Urdu and Hindi Programmes)"** is completed under the supervision of Prof. S.M. Abbas Sharib, Centre of Indian Languages in Urdu. This thesis is my own work and has not been submitted for any other degree in any Indian and Foreign University.

04.01.2000

(Tarique Eqbal Siddiqui)

12/1/2000

Prof. N.A. Khan
Chairperson

Prof. S.M. Abbas Sharib
Supervisor

Date:

GRAM : JAYENU; TEL. : (91-011) 6107676, 6167557 Extn. . 2217, Fax : (91-011) 6165886, 6106025

صفحہ نمبر

	ابتدائیہ	2
باب اول :	الیکٹرانک میڈیا کی ایجاد اور ہندوستان میں آمد	8
باب دوم :	سماج کی بدلتی قدریں اور الیکٹرانک میڈیا کا کردار	54
باب سوم :	ریڈیو کے اردو اور ہندی پروگراموں کا تجزیہ	72
باب چہارم :	ٹیلی ویژن کے اردو اور ہندی پروگراموں کا تجزیہ	98
	اختتامیہ	172
	کتابیات	177

ابتدائیہ

آج اطلاع (Information) اور مواصلات (Communication) کے تیزی سے بدلتے ہوئے رجحان نے نہ صرف انسانی معاشرے بلکہ انفرادی زندگی کو بھی بے حد متاثر کیا ہے۔ آج ہم جس معاشرے میں زندہ ہیں وہ پوری طرح سے ایک معلوماتی معاشرہ (Information Society) بن چکا ہے۔ کمپیوٹر کی ایجاد نے جہاں ایک طرف انسانی زندگی کی رفتار کو تیز کیا وہیں اس کی سوچ و فکر میں بھی تبدیلی لائی۔ اس نئی تکنیک نے مواصلاتی نظام کو اس قدر تیز کر دیا کہ انٹرنیٹ کے ذریعہ دنیا بھر کی خبریں لمحوں میں دستیاب ہو گئیں۔ آج دنیا بھر کی معلومات انگلی کے اشاروں پر ہمارے پاس موجود ہیں اور دنیا ایک عالمی گاؤں (Global Village) میں تبدیل ہو گئی ہے۔ کمپیوٹر نے کئی دیگر تکنیکی طریقہ مواصلات کو بھی فروغ دیا۔ انٹرنیٹ اس کی سب سے بڑی دین ہے، ساتھ ہی الیکٹرانک میل (E-Mail)، سیلولر اور موبائل فون، ویڈیو کانفرنسنگ، ریڈیو پیجنگ وغیرہ اسی کی مرہون منت ہیں۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ایجاد اگرچہ پرانی ہے لیکن ان میں تبدیلیوں کا عمل گزشتہ چند دہائیوں میں ہی دکھائی دیتا ہے۔ ضخیم اور بھاری بھر کم ریڈیو سیٹوں کی جگہ چھوٹے اور خوبصورت سسٹم بازار میں آئے۔ یہاں تک کہ کلائی گھڑیوں میں بھی ریڈیو سما گیا۔ یہی حال ٹیلی ویژن کا بھی ہوا۔ نئی تکنیکیں ایجاد ہوئیں اور ٹیلی ویژن کی شکل و صورت کے ساتھ اس پر دکھائی جانے والی تصویریں بھی صاف اور واضح ہوتی گئیں اور اب تو ان کے ہلکے اور تصویر کی فریموں کی مانند پتلے سیٹ بننے لگے ہیں جن کا تصور بھی ممکن نہ تھا۔ الیکٹرانک میڈیا کی اس تیز رفتار ترقی نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کیا ہے۔

میں نے اس تحقیقی مقالے میں مواصلات کی ابتداء، مختلف ادوار میں اس میں آئی تبدیلیوں اور الیکٹرانک میڈیا کی ایجاد سے لے کر حالیہ دور میں اس کی تمام ترقیاتی کارناموں کا بھی تفصیلی ذکر کیا

ہے جن کی وجہ سے یہ وسائل بحث کا موضوع بنتے جارہے ہیں۔ چار ابواب پر مشتمل اس مقالے میں مواصلات کی ابتداء سے لے کر اس کی موجودہ صورت حال کے علاوہ ہمارے سماج پر اس کے اثرات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

پہلا باب مواصلات کی ابتداء سے لے کر الیکٹرانک میڈیا کی مختلف ایجادات بالخصوص ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ایجاد اور ہندوستان میں اس کی آمد کی تفصیل ہے۔ مواصلات کی ابتداء کے سلسلے میں یہ بات واضح ہے کہ انسان نے جب بولنا بھی نہیں سیکھا تھا تو وہ مختلف قسم کی آوازوں اور اشاروں سے کام لیا کرتا تھا۔ سائنس دانوں کے اندازے کے مطابق تقریباً 150 ہزار برس قبل کے انسانوں نے اشاروں اور جسمانی حرکات کو اپنے پیغامات کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ تقریباً 40 ہزار برس قبل کے انسانوں نے بولیوں اور آوازوں کو مزید واضح شکل دی۔ اس طرح بولی اور پھر زبان کی ابتداء ہوئی۔ اشاروں اور جسمانی حرکات سے شروع ہو کر یہ سلسلہ موسیقی، رقص، ڈھول باجے، نقش و نگار اور آگ کے استعمال تک وسیع ہوا۔ جذبات و خیالات کے اظہار کے وسیلے کے طور پر اس کا استعمال ہوتا رہا اور پھر بولی و زبان کی ایجاد نے اسے واضح شکل دی۔

ان ترقیات کے باوجود ہزاروں برسوں تک انسان چھوٹے قصبوں یا قبیلوں تک ہی محدود رہا۔ اسے اپنے قرب و جوار کے قبیلوں کی بھی خبر نہیں ہوا کرتی تھی۔ دھیرے دھیرے پرندوں اور جانوروں سے خبر رسانی کا کام لیا جانے لگا اور مختلف قبائل ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہونے لگے۔ خبر رسانی کی رفتار بھی ایک تیز رفتار گھوڑے کے برابر ہو گئی۔ عرصۂ دراز تک یہ سلسلہ بھی قائم رہا جب 5ویں صدی عیسوی میں پرنٹنگ کی ایجاد کے ساتھ موجودہ مواصلاتی نظام کی ابتداء ہوئی۔ اس ایجاد نے خبروں کو دور تک وضاحت کے ساتھ بھیجنے کا کام کیا۔ کتابوں کی چھپائی شروع ہوئی اور اس نے اخبارات کو جنم دیا۔ پریس کا فروغ ہوا اور ساتھ ہی نئے ذرائع اور نئی تکنیک نے جنم لیا۔ تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات نے خبر رسانی کے ذرائع کو مزید واضح کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا۔ اس دور میں کئی نئی چیزیں ایجاد ہوئیں۔ 1837 عیسوی میں ٹیلی گراف کی ایجاد کے ساتھ ہی تکنیکی ایجادات کی راہ ہموار ہوئی۔ 1876 عیسوی میں ٹیلی فون، 1878 عیسوی میں گراموفون، پھر وائرلیس اور لاؤڈ اسپیکر کے بعد 1906 عیسوی میں ریڈیو کا کامیاب تجربہ کیا گیا۔

1926 عیسوی میں ٹیلی ویژن اور تقریباً اسی دوران کمپیوٹر کی ایجاد نے مواصلات کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ مصنوعی سیارے نے اس سلسلے کو مزید بہتر بنایا اور 1980 عیسوی تک الیکٹرانک اشیاء کی بہتات ہو گئی۔ انٹرنیٹ اور موبائل فون نے پورا منظر ہی بدل ڈالا۔

ان نئی تکنیکیوں سے مواصلاتی نظام کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ دوریاں سمٹنے لگیں اور دنیا کا ایک خطہ دوسرے خطے کے حالات سے واقف ہوتا گیا۔ نہ صرف زمین بلکہ چاند اور ستاروں کی خبریں بھی ملنے لگیں۔ شروع میں جو ساز و سامان کافی بھاری بھرکم، بے ڈھنگے اور مہنگے تھے انہیں اس تیز رفتار تکنیکی ترقیوں نے چھوٹا، خوبصورت اور ارزاں بنا دیا۔ مواصلاتی نظام کی یہ ترقی صرف تکنیکی ایجادات کی دین نہیں تھی بلکہ انسان کی مسلسل کاوشوں اور ضرورتوں نے اسے ایسی چیزیں ایجاد کرنے پر مجبور کیا۔

اس باب میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں تکنیکی تبدیلیوں کے علاوہ ہندوستان میں ان کی وسعت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ساتھ ہی پر سار بھارتی کے وجود اور غیر ملکی ٹیلی ویژن چینلوں سے متعلق حکومت ہند کی پالیسیوں پر بھی تفصیلی نظر ڈالی گئی ہے۔

دوسرے باب کے تحت ہمارے معاشرے میں آنے والی تہذیبی، اخلاقی اور سماجی تبدیلیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور تبدیلی کے اس عمل میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کیونکہ موجودہ تکنیکی ارتقاء کے ساتھ ہی روایتی سماجی اقدار اور عہد حاضر کے مغربی خیالات کے مابین جنگ شروع ہوئی۔ ہندوستانی تہذیب نہایت قدیم ہے اور آج جس طرح کی چیزیں الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ نشر کی جارہی ہیں ان کا ہماری تہذیبی روایت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ آج سنسنی خیزی اور عریانیت کو فروغ دیا جارہا ہے۔ معلومات اور نظریات کے نام پر طاقتور ممالک اپنے خیالات دوسروں پر تھوپنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ٹیلی ویژن کے پروگرام اس میں بے حد معاون ثابت ہو رہے ہیں۔

گزشتہ چند برسوں میں الیکٹرانک میڈیا کی غیر معمولی توسیع نے یہاں کے باشندوں کی روایتی زندگی پر گہرا اثر ڈالا ہے اور اس نے ہندوستانی سماج کے سامنے ایک بڑا چیلنج لا کھڑا کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی ترقی پذیر سماج میں تبدیلیوں کا عمل بہت سست ہوا کرتا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ٹیلی ویژن کے پروگراموں نے ہندوستانی روایت اور تہذیب سے دور ایک ایسے سماج کو

جنم دیا ہے جس کے نزدیک اخلاقی و تہذیبی قدریں لایعنی اور غیر اہم ہیں۔آج ہمارے سماج میں تیزی سے فروغ پا رہی برائیوں کا سبب ٹیلی ویژن کے وہ پروگرام ہیں جن میں عریانیت اور جرائم کا بول بالا ہے۔آج ٹیلی ویژن کے بیشتر چینلوں پر ایسے ہی پروگراموں کی کثرت ہے جو بیمار ذہنیت کو بڑھاوا دے رہے ہیں۔

ٹیلی ویژن کے علاوہ ریڈیو بھی کسی حد تک ان تبدیلیوں کا ذمہ دار ہے۔FM سروس کے کچھ پروگرام ٹیلی ویژن کے ذریعہ لائی گئی تبدیلیوں کو مزید ہوا دے رہے ہیں اور ایک ایسے معاشرے کا وجود عمل میں آرہا ہے جو صرف اپنی ہی خاطر جینا چاہتا ہے۔آج ہمارے آس پاس بڑھتے ہوئے تشدد، آپسی جھگڑے، عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک، حیوانیت، درندگی اور ذہنی کشیدگی ریڈیو کی FM سروس اور ٹیلی ویژن پر نشر ہو رہے پروگراموں کی دین ہے۔اس باب میں ان پر تفصیلی بحث موجود ہے۔

تیسرے باب میں ریڈیو کے منتخب اردو اور ہندی پروگراموں کا زبان، تکنیک اور مواد کے حوالے سے تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔اس سلسلے میں آکاش وانی کے نیشنل چینل کے علاوہ دلی مرکز سے نشر ہونے والے پروگراموں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ساتھ ہی "اردو سروس" کی ابتداء اس کے مقاصد کے علاوہ اس پر نشر چند مشہور سیریز مثلاً "سنگ میل، منزل جمہور، یہ خلد بریں ارمانوں کی" اور "غالب بصد انداز" وغیرہ کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ہندی کی چند مستقل سیریز کے پروگراموں مثلاً "سپنوں کو ساکار بنائیں، آج صبح" اور "اٹھئے اچھے سواستھ کے ساتھ" وغیرہ کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ مزاحیہ خاکوں کی سیریز کی بھی تفصیل درج ہے۔ریڈیو کے پروگرام آج بھی اپنے بنیادی اصول پر کاربند ہیں جس کے تحت سامعین کو خبروں اور معلومات کے علاوہ صاف ستھری تفریح بہم پہنچائی جارہی ہے لیکن FM سروس کے چند پروگراموں نے ان اصولوں سے خلاف ورزی کر کے عریانیت اور شہوانیت کو بڑھاوا دیا۔آج اگرچہ اس طرح کے پروگراموں پر مکمل پابندی تو عائد نہیں کی گئی ہے لیکن اس رجحان میں کمی ضرور واقع ہو گئی ہے اور اس کی بنیادی وجہ اس چینل کا دوبارہ آکاشوانی کے دائرۂ اختیار میں واپس آجانا ہے۔

چوتھے باب کے تحت ٹیلی ویژن کے پانچ ہندی چینلوں یعنی دوردرشن نیشنل نیٹ ورک،

دوردرشن میٹرو، سونی، زی ٹی وی اور اسٹار پلس کے منتخب اردو اور ہندی پروگراموں کا زبان، تکنیک اور مواد کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے۔ چونکہ اس تحقیق کا دائرہ کار سوپ اوپیرا، سٹ کام اور خبروں و حالات حاضرہ کے پروگراموں تک محدود تھا چنانچہ اس میں تجارتی، تعلیمی اور فلم و فلمی نغموں پر مبنی پروگراموں کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں سیٹیلائٹ چینلوں کی آمد کے بعد ٹیلی ویژن پر سیریلوں کو دکھانے کا رجحان تیزی سے بڑھا ہے۔ آج مختلف موضوعات پر سیریل بنائے اور نشر کئے جارہے ہیں جس نے ناظرین کو خانوں اور درجوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ آج ہمارے ٹیلی ویژن سیٹ پر تقریباً 60 چینلوں کی نشریات موجود ہیں۔ جن میں بیشتر چینلوں پر نشریات کا سلسلہ چوبیس گھنٹے جاری رہتا ہے۔ چینلوں کی آپسی مقابلہ آرائی میں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی غرض سے بولڈ پروگراموں کی نشریات میں گوناگوں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ آج ٹیلی ویژن پر دہشت و حیرت انگیز، وحشیانہ اور جنسیات پر مبنی ایسے پروگراموں کی بھرمار ہے جو ناظرین کے بنیادی حواس پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ بچوں کے مخصوص پروگراموں میں بھی تشدد اور جرم کی وارداتیں کثرت سے دکھائی جاتی ہیں۔ مختلف چینلوں پر تشدد آمیز پروگراموں کے لیے دن مقرر ہے۔ پیر کو اسٹار پلس، منگل کو سونی اور جمعرات و اتوار کو زی ٹی وی پر نشر ہونے والے کل پروگراموں میں سے تقریباً 50 فیصدی پروگرام تشدد آمیز ہوا کرتے ہیں۔ ایسے ہی پروگراموں میں سونی پر "الپ ورام، سی آئی ڈی، بھوور" اور "آہٹ" وغیرہ ہیں۔ زی ٹی وی پر "شپتھ، وہ، ایکس زون، انڈیاز موسٹ وانٹڈ" وغیرہ تو اسٹار پلس پر "اپرادھی، عجیب داستان، ثبوت" وغیرہ ہیں۔ دوردرشن بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ اس کے میٹرو چینل پر "راجہ اور رنچو، سی ہاکس" اور "ہندوستانی" وغیرہ اسی قسم کے پروگرام ہیں۔

ایک طرف جہاں سیریلوں کے موضوعات میں تبدیلی آئی وہیں اس کی زبان بھی تبدیل ہوئی اور مشترکہ زبانوں کا رواج عام ہو گیا۔ مختلف زبانوں کا مشترکہ استعمال ہی کثرت سے ہونے لگا اور ان زبانوں کی انفرادیت ختم ہوتی گئی۔ اس باب کے تحت ایسے منتخب سیریلوں کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے جن میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی گئی ہے۔

اس طرح اس تحقیقی مقالے میں ٹیلی ویژن اور ریڈیو میں غیر معمولی تکنیکی تبدیلیوں کے

علاوہ ان کے پروگراموں اور موضوعات میں آئی تبدیلیوں اور ہندوستانی معاشرے پر پڑ رہے ان کے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ واضح رہے کہ اس تحقیق میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں کے تمام جائزے 1998 عیسوی سے لے کر 1999 عیسوی کے وسط تک کے پروگراموں تک محدود ہیں۔

اس مقالے کی تکمیل میں مجھے استاذ محترم اور نگراں پروفیسر شارب ردولوی سے جس طرح کا تعاون ملا وہ ایک نگراں کی ذمہ داریوں سے کہیں بڑھ کر تھا۔ ان کی حوصلہ افزائی نے مجھے اس کام کو جلد اور بہتر طور پر کرنے کی ترغیب دی۔ میں پروفیسر شمیم نکہت کا بھی شکر گزار ہوں جن کا وقتاً فوقتاً تعاون مجھے حاصل رہا۔ میں پروفیسر جسونت سنگھ یادو، ڈائرکٹر انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ماس کمیونی کیشن کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے مجھے انسٹی ٹیوٹ کی لائبریری کی اعزازی ممبر شپ عطا کی اور ہر موقع پر مجھے اپنے مشوروں سے نوازا۔ میں جناب چندر شیکھر، ڈائرکٹر دوردرشن کے علاوہ آکاش وانی کے جناب سجاد رضوی اور جناب شکیل اختر کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے مجھے دوردرشن اور آکاش وانی سے متعلق چیزیں بہم پہنچائیں۔ ساتھ ہی میں آکاشوانی کے ریٹائر افسران جناب رفعت سروش، جناب زبیر رضوی اور جناب کمال احمد صدیقی کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے اپنے تجربات اور احساسات کے حوالے سے میری رہنمائی کی۔

ان لوگوں کے علاوہ میں برادر محترم ڈاکٹر محبوب اقبال اور جناب شاہد انور کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے میری بے انتہا مدد کی اور مجھے اس موضوع پر کام کرنے کی طرف راغب کیا۔ ساتھ ہی میں اپنے دوستوں سہیل انور اور راشد انور کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی مدد سے یہ کام اتنی جلدی مکمل ہو سکا۔ علاوہ ازیں میں ان تمام لوگوں کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کام کی تکمیل میں کسی بھی شکل میں میرا تعاون کیا۔

☆☆☆

الیکٹرانک میڈیا کی ایجاد اور ہندوستان میں آمد

مواصلات (Communication) آج دنیا کی وہ حقیقت ہے جو نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں کے لئے بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ غذا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر آج مواصلات کو ذرا دیر کے لئے مکمل طور پر روک دیا جائے تو انسانی زندگی بالکل تھم سی جائے گی۔

مواصلات انسانی زندگی کو سنوارنے اور بہتر بنانے میں معاون ہے۔ یہ آج انفرادی ہی نہیں بلکہ سماجی ضرورت بھی ہے۔ انسانی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی مواصلات کا بھی آغاز ہوا۔ انسانوں نے جب خود بولنا نہیں سیکھا تھا

تب بھی وہ جانوروں کی آوازوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا تھا پھر اس نے لایعنی آوازوں اور اشاروں سے کام لینا شروع کیا۔ یہ سلسلہ عرصۂ دراز تک قائم رہا۔ سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق تقریباً 150/ ہزار سال قبل کے انسانوں نے اشاروں اور جسمانی حرکتوں کو قدرے واضح شکل دینا شروع کر دیا تھا۔ وہ ان اشاروں اور جسمانی حرکتوں کے مطلب بھی سمجھنے لگا تھا۔ پھر اس نے لایعنی آوازیں نکالنا سیکھا اور مختلف آوازوں کے مختلف مطلب طے کئے گئے اور اس طرح آوازوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

تقریباً 40/ ہزار سال قبل کے انسانوں نے ان آوازوں اور اشاروں کو مزید واضح شکل دی۔ مختلف پیغامات کے لئے مختلف قسم کی آوازوں اور بولیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر ان بولیوں کو انسان سمجھنے بھی لگا۔ اس طرح پہلے بولی اور پھر زبان کا آغاز ہوا۔ یہ مواصلات کی دنیا کا پہلا انقلابی قدم تھا۔

اگر ہم تاریخ انسانی کا بخوبی جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ انسانوں نے ہمیشہ سے ہی اپنے اطراف وجوانب کے حالات جاننے کی کوشش کی ہے۔ یہ انسانی جبلت بھی ہے کہ وہ خود کو خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے اطراف وجوانب کے حالات سے باخبر رہنا چاہتا ہے۔ اسی جبلت نے اسے اپنے جذبات وخیالات کا اظہار کرنے کی طرف راغب کیا جو اشاروں اور جسمانی حرکات سے شروع ہو کر موسیقی، رقص، ڈھول، نقش ونگار، آگ اور غیر منظم آوازوں تک وسیع ہوا۔ جنگلوں اور غاروں میں زندگی گزارنے والا انسان اب مہذب ہونے لگا۔ وہ جسم ڈھانکنے کے لئے پیڑ کے پتوں اور چھالوں کا استعمال کرنے لگا۔ جذبات واحساسات سے عاری انسان اب جذباتی ہونے لگا اور اسے تکالیف کا احساس شروع ہوا۔ اس نے جنگلوں میں ہی منظم ہونا شروع کیا اور اب اسے مواصلاتی نظام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بولیاں اور اشارے جو غیر واضح تھے انہیں مزید واضح کیا گیا۔ دیگر ذرائع کو بھی منظم کرنے کی فکر لاحق ہوئی اور انسانوں نے موسیقی اور ڈھول کو بالخصوص پیغام رسانی کا ذریعہ بنایا۔

لیکن ان سب کے باوجود بھی انسان پوری طرح منظم نہیں تھا۔ سماجی اقدار کی کمی تھی۔ آپسی تنازعے میں خون بہا دینا ایک عام بات تھی۔ رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ لیکن مواصلات نے اسے دھیرے دھیرے مہذب بنانا شروع کیا اور انسان قبیلوں کی شکل میں آپس میں مل کر رہنے لگا۔ چھوٹے چھوٹے قصبے وجود میں آئے۔ اب مسئلہ ایک قصبے اور قبیلے سے دوسرے تک خبر رسانی کا تھا۔ خبر رسانی کا کام جانوروں سے لیا جانے لگا۔ پرندوں کو سکھانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اب ایک جگہ سے دوسری جگہ خبریں بھیجی جانے لگیں۔

چونکہ لکھنے کا کوئی سلسلہ نہیں تھا اور ہر قبیلے کی زبان الگ الگ ہوا کرتی تھی اس لئے خبر دینے والا اشاروں اور جسمانی حرکتوں کے ذریعہ اپنے قبیلے کا پیغام دوسرے قبائل تک پہنچایا کرتا تھا۔ لیکن یہ پیغامات غیر واضح اور ادھورے ہوتے تھے اور ان پیغامات کا صحیح مطلب سمجھنا بھی دشوار تھا۔ رفتہ رفتہ ان قبائل نے آپس میں مشترک اشاروں اور بولیوں کا آغاز کیا اور ایک قبیلے کی خبریں دوسرے قبائل کو مزید وضاحت کے ساتھ ملنے لگیں۔ آپسی میل جول کا سلسلہ شروع ہوا۔ جشن بھی متحدہ طور پر منائے جانے لگے۔ اشیائے خورد ونوش کا آپسی لین دین شروع ہوا۔ اس طرح تجارت کا آغاز ہوا۔ دھیرے دھیرے دشمن کے خطرات سے بچنے کے لئے مضبوط جوانوں کی ایک جماعت تشکیل دی گئی

اور فوجی نظام کی ابتداء ہوئی۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ تجارتی اور فوجی نظام کا ارتقاء خبر رسانی کے باقاعدہ نظام کے بغیر عمل میں آیا ہوگا۔

خبروں کی رفتار بھی ایک تیز رفتار گھوڑے یا ایک پرندے سے زیادہ تیز نہیں تھی اور یہ سلسلہ بھی عرصۂ دراز تک قائم رہا۔ بعد کا انسان بولیوں کے ساتھ ساتھ ہاتھ کا بھی استعمال کرنے لگا اور اس نے نقش و نگار بنانے شروع کئے۔ پتھروں اور لکڑیوں پر نوکیلے پتھروں کی مدد سے بنائے گئے نقش و نگار اور بے معنی الفاظ آج بھی مختلف میوزیم کی زینت ہیں۔ غاروں میں رہنے والے انسانوں نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا وہ جانوروں کی واضح شکلیں بنانے لگے۔ جانوروں کو انکی اہمیت کے اعتبار سے عزت دی جانے لگی۔ پھر جانوروں کی شکلوں کے ساتھ ساتھ مختلف الفاظ بھی لکھے جانے لگے۔ بولی چونکہ پہلے ہی سے استعمال میں تھی۔ اس لئے ان بولیوں کو الفاظ کی شکل دینے کی کوشش کی گئی اور اس میں کسی حد تک کامیابی بھی ملی۔ اب خبر رسانی کے لئے پتوں اور درختوں کی چھالوں پر لکھے پیغامات کا استعمال ہوا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ پیغامات مزید واضح شکل اختیار کرتے گئے اور انسان کا مواصلاتی نظام ترقی کرتا چلا گیا۔

لکھنے کی ابتداء کے ساتھ ہی انسانی زندگی میں زبردست تبدیلی آئی۔ اب انسان اپنے جذبات و خیالات کو تحریر کی شکل میں واضح کرنے لگا اور ساتھ ہی اس کو محفوظ رکھنے کی کوشش شروع ہوئی۔ اس نے غاروں کے اندر پتھروں اور لکڑیوں پر لکھنا شروع کیا تاکہ یہ زیادہ دنوں تک محفوظ رہ سکیں۔ اس تحریری انقلاب نے سماجی نظام کو مزید واضح اور بہتر بنانے میں مدد کی۔ تاریخ گواہ ہے کہ کسی قبیلے کے مضبوط مواصلاتی نظام نے دوسرے قبائل پر اس کی حکمرانی قائم کی ہے۔

ماہرین بشریات (Anthropologist) کے مطابق آج سے تقریباً تین لاکھ سال قبل کے انسانوں نے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے کسی حد تک زبان بھی ایجاد کر لی تھی۔ لیکن اب تک اس سلسلے میں کوئی واضح ثبوت نہیں ملتے جس کی بنیاد پر یہ کہا جاسکے کہ انسانوں نے کس طرح بولی اور زبان کا ایجاد کیا اور تحریر کی ابتداء کیسے ہوئی۔

مانا جاتا ہے کہ آج سے تقریباً بارہ ہزار سال قبل سومیر اور مصر کے لوگوں نے تحریر کی ابتداء کی۔ اس کی ابتداء سے قبل بھی انسانوں نے اپنے تجارتی اور معاشی معاملات کا حساب رکھنا شروع

کر دیا تھا۔ اس وقت وہ مٹی اور پتھر کے چھوٹے گول ٹکڑوں کی مدد سے کاروبار کیا کرتے تھے۔

1964ء میں ہنگری کے ماہر آثار قدیمہ (Archeologist) لازلوورٹیس (Laszlo Verte's) نے ایک بیضوی (Oval) شکل کی کسی چیز کا پتہ لگایا جس پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کی تصویر شائع کی اور بتایا کہ اس لکڑی کے ٹکڑے پر آج سے تقریباً 45/ ہزار سال قبل کے انسانوں نے نقاشی کی ہے۔ علاوہ ازیں جانوروں کی کھالوں اور ان کی مورتیوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان جانوروں کا شکار کیا کرتا تھا۔ جرمنی میں ملے ہاتھی کے دانت سے بنے ڈھائی انچ سائز کے گھوڑے کو اب تک حاصل شدہ جانوروں کی شکلوں میں سب سے پہلا مانا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اسے آج سے تقریباً ۳۰/ ہزار سال قبل بنایا گیا ہوگا۔

جانوروں کی شکلوں اور لایعنی نقاشی کے بعد تقریباً دس ہزار سال قبل مسیح کے انسانوں نے معنی خیز تصویریں بنانی شروع کیں۔ انیسویں صدی میں فرانس میں حاصل ایک لکڑی کے ٹکڑے پر مچھلیوں اور دیگر سمندری جانوروں کی تصویریں بنی ہوئیں ہیں۔ اس لکڑی کے ٹکڑے کو ہاتھ میں آسانی سے پکڑنے کے لئے ایک سرے پر سوراخ بھی موجود ہے۔

مصر کی تہذیب بہت قدیم مانی جاتی ہے۔ لیکن اس تہذیب کے اتار چڑھاؤ نے بھی مواصلات کی ترقی کے لئے راہیں ہموار کیں۔ پتھروں کے استعمال کے علاوہ لکڑیوں کا استعمال خصوصیت کے ساتھ ہونے لگا۔ پیڑوں کو مناسب لمبائی کے اعتبار سے کاٹا جانے لگا اور لکڑی کے پتلے پتلے ٹکڑوں کو آپس میں جوڑ کر کسی وزنی پتھر سے دبایا اور ٹھوکا جاتا تھا اور جب ان پر شکلیں ابھر آتی تو پھر انہیں الگ الگ کر کے خشک کیا جاتا تاکہ یہ شکلیں محفوظ ہو جائیں۔

کچھ خاص قسم کے پودوں کو کاٹ کر ان سے برش جیسی چیز بنائی جاتی جو لکھنے کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ جیسے جیسے تحریر وسعت پاتی گئی پیغام رسانی کے ساتھ ساتھ خیالات کو محفوظ رکھنے کا کام بھی آسان ہوتا گیا۔

جہاں ایک طرف مصر کے باشندے لکھاوٹ کا رواج عام کر رہے تھے وہیں دوسری طرف پیرو کے لوگ اس سے دور ڈوریوں کے گچھوں، کیوپو (QUIPU) کے ذریعہ پیغام رسانی کرتے اور معلومات کو محفوظ رکھتے تھے۔ مختلف رنگوں کی ڈوریاں آپس میں جوڑ دی جاتی تھیں اور ان میں

ضرورت کے مطابق گانٹھ باندھ کر معلومات کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ تجارت کے حساب و کتاب بھی ان کیوپو میں محفوظ رکھے جاتے تھے۔ جس طرح آج ہم کسی پیغام کا آغاز اور انجام جانتے اور سمجھتے ہیں ٹھیک اسی طرح کیوپو بنانے والوں کو اس کے آغاز و انجام کا علم ہوتا تھا۔ اس کا استعمال بھی مختلف طریقے سے ہوا کرتا تھا اگر گانٹھیں متوازی (Horizontal) ہوں تو اس کا جو مطلب ہوتا تھا اسے اگر عمودی (Vertical) کیا جائے تو مطلب بدل جایا کرتا تھا۔ اس میں ہر ڈوری کا رنگ مختلف ہوا کرتا اور ان رنگوں کے استعمال سے ہی اس وقت پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا۔

زمانۂ قدیم میں مختلف چیزوں مثلاً پتھروں، ہڈیوں، جانوروں کے چمڑوں، لکڑیوں، پتوں اور دیگر اشیاء کا استعمال اس وقت کی ضرورت اور سہولت کے اعتبار سے ہوا کرتا تھا۔

یہ چیزیں آسانی سے فراہم تھیں اس لئے ان چیزوں کا ہی استعمال پیغام رسانی کے لئے کیا جاتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے نئی چیزیں وجود میں آئیں، انسانوں نے ان کا استعمال بھی شروع کیا۔ کچھ تو وقت کی ضرورت کے تحت اور کچھ انسان نے اپنے کھوجی ذہن کی مدد سے نئی نئی ایجادیں کیں۔ پتھر کے دور سے لیکر آج کمپیوٹر کے عہد تک جو تبدیلیاں رونما ہوئیں وہ سب موجودہ ماحول کی ضرورت کے تحت ہی عمل میں آئیں۔

رنگوں کا استعمال بھی اسی مناسبت سے ہوا۔ سومیر کے باشندے رنگوں کا استعمال نہیں جانتے تھے۔ مصر میں لوگوں نے دو رنگوں، سرخ اور سیاہ کا استعمال شروع کیا۔ لیکن پیرو میں کیوپو بنانے والوں نے سیکڑوں رنگوں کا استعمال کیا اور ان رنگوں کے الگ الگ معنی اخذ کئے۔ رنگوں کی مدد سے خبر رسانی کا کام لیا جانے لگا اور اس طرح نہ صرف رنگوں کا وجود عمل میں آیا بلکہ مختلف رنگوں کے مختلف مطلب نکالے گئے۔ آج بھی سیاہ رنگ کا لباس ماتمی اور سرخ رنگ خطرات سے ماخوذ ہے۔ آج ٹریفک کے سرخ اور سبز رنگ ہمیں رکنے اور آگے بڑھنے کا خاموش پیغام دیتے ہیں۔

تحریر کی ابتداء نے جہاں معلومات کو محفوظ رکھنے اور ضرورت کے وقت اس کے استعمال کو آسان بنایا وہیں اس نے انسانوں کو منظم ڈھنگ کے مواصلات کا ذریعہ بھی فراہم کیا۔ ابتداء میں تحریروں سے سیاسی اور معاشی کام لئے جاتے تھے۔ مختلف علامات کا استعمال مختلف اشیاء اور حرکات کو بیان کرنے کے لئے کیا جاتا تھا۔ مصر اور بے بی لونیا (Babylonia) میں تحریر کو کافی وسعت ملی۔

700 قبل مسیح کے قریب یونانی الفاظوں کی ابتداء نے انسانی تہذیب کو یکسر تبدیل کر دیا۔ یونانیوں نے نہ صرف لفظوں کی تلاش کی بلکہ انہوں نے تعلیمی نظام کی بنیاد ڈالی۔ آج کے دور میں جو مختلف زبانیں ہم سنتے ہیں وہ زیادہ تر یونانی لفظوں کے استعمال سے ہی وجود میں آئیں۔

105 عیسوی کے قریب چین میں کاغذ کی ایجاد سے قبل تک لکھنے کا سارا کام جانوروں کے چمڑوں اور درختوں کی پتیوں اور چھالوں پر ہوا کرتا تھا۔ آج جو مختلف رنگوں کے کاغذ ہمیں دستیاب ہیں وہ چین کی ہی دین ہے۔ کاغذ بنانے کا یہ فن چینیوں کے ذریعہ عربوں نے سیکھا اور انہوں نے آٹھویں صدی عیسوی میں اسکو کافی وسعت دی۔ تیرھویں صدی عیسوی تک اس کا استعمال عام ہو گیا اور اس نے تحریر کی دنیا میں ایک نیا انقلاب برپا کیا۔

کاغذ کی ایجاد کے بعد تیزی سے لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ اب تک لکھنے کا سارا کام ہاتھوں سے ہی ہوا کرتا تھا۔ اس لئے کتابوں کا لکھنا کافی پریشان کن مرحلہ تھا۔ چین کے لوگوں نے لکڑی کے مسطح حصے پر لفظوں کو کھود کر ایک سانچہ تیار کیا اور پھر رنگوں کی مدد سے اس کے ذریعہ پرنٹنگ شروع ہوئی۔ کاغذ کی فراوانی نے اس کی قیمتوں میں زبردست کمی لائی لیکن مسئلہ اب بھی ہاتھوں سے لکھنے کا ہی تھا۔ لکڑی کے بلاک صرف ایک ہی چیز چھاپ سکتے تھے۔ لیکن 1450 عیسوی میں اس مسئلے کا حل تلاش کیا گیا اور جرمن کے جان گٹنبرگ (Johannes Gansfleisch Zur Laded Zum Gutenberg) نے پرنٹنگ مشین ایجاد کی۔ اب باقاعدہ چھپائی کا کام شروع ہوا اور کتابیں چھاپی جانے لگیں۔

انیسویں صدی کے نصف تک مواصلات کا سارا سلسلہ کاغذ اور تحریروں تک ہی محدود تھا۔ خبر رسانی کا کام اخباروں اور کتابوں کے ذریعہ ہی ہوا کرتا تھا۔ خبر رسانی کی رفتار بھی خبر رساں کی رفتار سے زیادہ تیز نہیں تھی۔ لیکن 1844 عیسوی میں امریکہ میں برقی ٹیلی گرافی نے جدید دور کے مواصلاتی نظام کا آغاز کیا۔ اس ایجاد نے بہت جلد مقبولیت حاصل کر لی اور وسیع علاقے میں اس کا نیٹ ورک قائم ہوا۔ اگرچہ اس سلسلے کی شروعات 1667 عیسوی میں انگلینڈ میں رابرٹ ہوک (Ro-bert Hooke) نے کر دی تھی اور فرانس میں 1794 عیسوی میں اس کا تجربہ بھی کیا گیا تھا۔ ایمپیئر (Ampere) نے فرانس، شیلنگ (Schilling) نے روس، اسٹین ہل (Steinheil) نے جرمنی

اور ڈیوی کوک (Davy Cooke) اور وھیٹ اسٹون (Wheatstone) نے انگلینڈ میں اس سلسلے میں کافی تجربات کئے۔ 1838 عیسوی میں امریکہ کے سیموئل مورس (Samuel Fin-ley Breese Morse) نے پہلی بار برقی مقناطیسی ٹیلی گراف کا تجربہ کیا اور 1844 عیسوی تک اس سلسلے میں مزید تجربات کر کے امریکہ کی پہلی ٹیلی گراف لائن بالٹی مور اور واشنگٹن کے درمیان قائم کی۔ اس طرح ٹیلی گراف کی ایجاد ہوئی۔

ٹیلی گراف میں مواصلات کا نظام یک طرفہ ہوا کرتا تھا اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اسے دو طرفہ بنایا جائے تاکہ خبر بھیجنے والا خبروں کو موصول بھی کر سکے۔ اسی ضرورت نے 1861 عیسوی میں ریئس (Reis) کو آوازوں کو برقی لہروں میں تبدیل کرنے کی طرف راغب کیا اور اسی تجربے کو آگے بڑھاتے ہوئے امریکہ کے الفریڈ گراہم بیل (Alfred Graham Bell) نے 1876 عیسوی میں ٹیلیفون ایجاد کیا۔ ٹیلی فون کے ذریعہ چونکہ آوازیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جایا کرتی تھیں۔ اس لئے اس نے ٹیلی گراف کی بہت سی بندشوں (Limitations) کو دور کر دیا۔ اب ٹیلی فون کے ذریعہ دو طرفہ مواصلات کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کا استعمال پڑھے لکھے اور غیر تعلیم یافتہ دونوں کے لئے سہولت کا باعث ہوا۔ ٹیلی فون کی ایجاد نے لوگوں میں نیا جوش و جذبہ پیدا کیا اور تیزی سے اس کا استعمال عام ہونے لگا۔ انیسویں صدی کے آخر تک اس کا استعمال صرف امیروں تک ہی محدود تھا۔ لیکن بیسویں صدی کی شروعات سے ہی جیسے جیسے اس کی قیمت میں کمی آتی گئی اس کا استعمال بڑھتا گیا اور یہ عام انسانوں کی پہنچ کے قریب ہو گیا۔ لوگوں نے اس کا استعمال نہ صرف کاروبار اور خبر رسانی کے لئے کیا بلکہ یہ تفریح کا ایک نیا ذریعہ بھی بن گیا۔

ٹیلی فون نے حال کے دنوں میں جو زبردست ترقی کی ہے اس کی مثال مشکلوں سے ملتی ہے۔ اب دنیا کے کسی بھی خطے میں رہ رہے شخص سے لاکھوں میل دور بیٹھ کر بات کی جا سکتی ہے۔ فیکس کی سہولت بھی ٹیلی فون سے ہی وابستہ ہے۔ انٹرنیٹ جسے جدید دور کا سب سے بڑا کارنامہ مانا جاتا ہے، ٹیلی فون کی ہی مرہون منت ہے۔ آج موبائل اور سیلولر فون عام ہو چکے ہیں۔ پہلے ٹیلی فون کے لئے تاروں کی ضرورت ہوتی تھی اب بغیر تاروں کے ایک چھوٹے سے فون سے آپ باتیں کر سکتے ہیں۔ لیکن سیلولر فون کا دائرہ محدود ہے اور آپ اس کے حدود سے باہر اسے استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔ آج

سائنس دانوں نے اس کا بھی حل ڈھونڈ نکالا ہے اور اب سٹیلائٹ فون بھی استعمال ہونے لگا ہے۔ یہ ایک بریف کیس کے برابر کا فون ہے۔ جس میں ٹیلی فون سیٹ کے علاوہ ایک ڈش انٹینا (Dish Antenna) شامل ہے جس کے ذریعہ سٹیلائٹ کی مدد سے دنیا کے کسی بھی خطے سے کہیں بھی بات کی جاسکتی ہے۔ اس کے لئے کسی سروس کی ضرورت نہیں البتہ یہ فون بہت مہنگا ہے۔ اس کی سہولتوں کے پیش نظر اس کا استعمال فوجی مواصلات میں ہو رہا ہے۔ اس فون کا ڈش انٹینا آوازوں کو برقی لہر کی شکل میں مصنوعی سیارہ کو منتقل کرتا ہے اور پھر اس مصنوعی سیارہ کے ذریعہ ہی لہریں اپنے معینہ مقام تک لمحوں میں منتقل کر دی جاتی ہیں۔ اس فون کی پہنچ لامحدود ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ٹیلی گراف اور ٹیلی فون نے جہاں خبر رسانی کو تیز اور آسان کر دیا وہیں تفریحات کے نئے ذرائع بھی وجود میں آئے۔ گاؤں اور شہروں میں تبدیلیاں آئیں اور ایک عوامی سماج (Mass Society) کا جنم ہوا۔ تعلیم کی سہولت عام ہوئی اور مواصلات کے دوسرے ذرائع اور وسائل جیسے سائیکل، گاڑیاں، ہوائی جہاز وغیرہ کا وجود عمل میں آیا۔ بجلی کا استعمال عام ہوا اور وقت کا حساب رکھا جانے لگا۔ اسی درمیان فلم اور فوٹوگرفی کی شروعات بھی ہوئی۔

فوٹوگرافی کی ابتداء اگرچہ 1839 عیسوی میں ہی ہو چکی تھی لیکن اس کی ترقی بیسویں صدی کی ہی مرہون منت ہے اور 1914 عیسوی تک اخبارات ورسائل بھی تصویروں کو شائع کرنے لگے تھے۔ اس طرح مواصلات کا سلسلہ مزید ترقی کرتا گیا۔ 1824 عیسوی میں ڈاکٹر پیٹر مارک راجٹ (Dr. Peter Mark Roget) نے کھلونوں اور دوسری اشیاء کے استعمال سے متحرک تصویروں کا ایک تجربہ شروع کیا تھا۔ انہوں نے دو الگ الگ کارڈ پر چڑیا اور پنجرہ کی شکل بنا کر (کاٹ کر) اسے تیزی سے روشنی کے سامنے گھمایا جس سے سامنے کی دیوار پر اس کا سایہ کچھ اس طرح پڑا گویا چڑیا پنجرے کے اندر موجود ہو۔ پھر 1880 سے 1890 عیسوی کے درمیان متحرک چیزوں کو مقید (Capture) کرنے کے لئے نئے نئے کیمرے بنائے گئے۔ 1895 عیسوی میں فرانسیسی عوام اس وقت بہت متاثر ہوئے جب انہوں نے لوئس لومائر (Luis Lomiere) کے ذریعہ بنائی ہوئی پہلی متحرک فلم دیکھی۔

نیویارک میں 1896 عیسوی میں تھامس الوا ایڈیسن (Thomas Alva Edison) اور تھومس آرمٹ (Thomas Armat) نے ایک پراجکٹر Vitascope کے نام سے بنایا اور پہلی بار امریکی عوام کو متحرک تصویروں دکھائیں۔ لیکن ایڈیسن اور آرمٹ کو اس میں زیادہ کامیابی نہیں ملی اور متحرک فلموں کی ایجاد کا سہرا لومائر برادران کے ہی نام رہا۔ 1900 عیسوی تک متحرک فلمیں عوام میں مقبول ہو چکی تھیں۔

1903 عیسوی میں بنی ایک فلم Life of An American Fireman بہت مشہور ہوئی۔ 1905 عیسوی میں پیٹسن برگ (Pattson Berg) ہیری ڈیوس (Harry Da-vis) اور جان ہیرس (John Harris) نے تھیٹر قائم کئے اور لوگوں کو باقاعدہ فلمیں دکھانا شروع کیا۔ 1910 عیسوی تک تقریباً دس ہزار سینما گھر قائم ہو چکے تھے۔ 1930 عیسوی میں پہلی بار فلموں کے احتساب (Censor) کا کام شروع ہوا۔

اب فلموں کو انسانی زندگی سے قریب لانے کی کوشش کی گئی اور یہ تفریح کا سب سے اہم ذریعہ بنی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جنگ اور وطن پرستی پر بنی فلمیں کافی مقبول ہوئیں اور اسے حقیقت سے قریب تر لایا گیا۔

ہندوستانی فلمیں

7/ جولائی 1896 عیسوی کو بمبئی سے روزمانہ ٹائمس آف انڈیا میں ایک اشتہار شائع ہوا۔

"The marvel of the century, the wonder of the world".*

* Mass Communication in India, Keval J. Kumar- Pg-110

بمبئی میں پہلی فلم نمائش کا یہ اشتہار کافی اہم تھا کیونکہ لومائر برادران کے ذریعہ لگائی گئی۔ یہ

نمائش ہندوستان میں پہلی تھی جس کے ذریعہ فلم و فوٹوگرافی کا ہندوستان میں داخلہ ہوا۔ اس نمائش میں قدآدم سائز کی تصویریں دکھائی گئی تھیں جس میں سے کسی ریل کی آمد، مزدوروں کے مناظر اور سمندر میں تیراکی کرنے والے کی تصویریں نمایاں طور پر دکھائی گئیں۔ اس نمائش کو دیکھنے کے لئے لوگوں کی ایک بھیڑ اکٹھی ہوئی اور دو ماہ تک یہ نمائش ہزاروں لوگوں نے دیکھی۔ اسی دوران ایک انگریز سنیماٹوگرافر (Cinematographer) نے اسی طرح کی ایک نمائش کلکتہ میں لگائی۔ جو اس وقت انگریزی حکومت کا دارالسلطنت تھا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہندوستان میں دوسرے ممالک کے ساتھ ہی سنیما کی ابتداء ہوئی۔

بمبئی کی نمائش کو دیکھنے والوں میں مہاراشٹر کا ایک فوٹوگرافر H.S. Bhatvadekar بھی تھا۔ اسے ان تصویروں نے کافی متاثر کیا اور اس نے لندن سے ایک متحرک فوٹو کیمرہ لانے کا آرڈر دیا۔ جیسے ہی اسے یہ کیمرہ ملا اس نے کشتی کے ایک مقابلے کی تصویر کشی کی۔ پھر اس نے جلد ہی پراجکٹر اور دوسرے آلہ جات حاصل کئے اور 1901 عیسوی میں اس نے ایک ہندوستانی طالب علم آر۔ پی۔ پرانجپے کے کیمبرج سے امتیازی ڈگری لے کر واپس آنے پر Return of Wrangler, Pranjpe نامی پہلی ہندوستانی متحرک فلم بنائی۔ دیگر ہندوستانیوں نے بھی جن میں زیادہ تر فوٹوگرافر تھے، کئی فلمیں بنائیں۔ جن میں Poona Race 98, Train Arriving At Bombay Station, Bathing Ghats At Benaras, Terrible Hyderabad Floods, Tilak's Visit to Calcutta اور Great Bengal Partition Movement جیسی فلمیں کافی مشہور ہوئیں۔ کچھ لوگوں نے تو اسے پیشہ ورانہ طور پر اختیار کیا اور اپنے ساز و سامان کے ساتھ جگہ جگہ فلموں کی نمائش کرتے رہے۔

ہندوستان میں فیچر فلموں کا دور دادا صاحب پھالکے سے شروع ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے Life of Christ نامی فلم دیکھ کر اپنا پرنٹنگ کا کاروبار چھوڑ دیا اور فلم سازی کی طرف راغب ہوئے انہوں نے کرشن کی زندگی پر ایک فلم بنانے کا ارادہ کیا لیکن روپے کی کمی اور عورتوں یہاں تک کہ طوائفوں کے بھی فلموں میں کام کرنے سے انکار کی وجہ سے وہ یہ فلم نہیں بنا سکے۔ لیکن

1913 عیسوی میں انہوں نے مشہور زمانہ فلم "راجہ ہریش چند" بنائی۔ اسے سارے ملک میں پسند کیا گیا اور اس طرح ہندوستان میں فیچر فلموں کی شروعات ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے سیکڑوں فلمیں بنائیں۔ ان کی مشہور فلموں میں "ساوتری" "لنکا دہن" "کرشنا جنم" اور "بھسماسر موہنی" کافی اہم ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب عورتوں کا فلموں میں کام کرنا بہت معیوب سمجھا جاتا تھا اس لئے عورتوں کا کردار بھی مردوں کو ہی کرنا پڑتا تھا۔ دادا صاحب پھالکے ایک ذہین شخص تھے انہوں نے اپنی فلموں میں کئی نئے تجربے کئے۔ جان آفرینی (Animation) سے لے کر رنگین فلموں کا استعمال ان کی خصوصیت رہی۔

مذہبی اور اساطیری (Mythological) موضوعات نے دوسرے فلم سازوں کو زیادہ متاثر نہیں کیا۔ کلکتہ کے ڈی۔ جی۔ گانگولی نے 1921 عیسوی میں طنز و مزاح کی فلم England Returned اور "Barrister's Wife" بنائی بمبئی کے چندولال شاہ نے سماجی حالات پر "گم سندری" اور "ٹائپسٹ گرل" بنائی۔ ہمانشو رائے نے جرمنوں کی مدد سے کئی نایاب فلمیں بنائیں۔ ان کی فلموں میں

"Shiraz, The Light of Asia" اور "Karma" اہم ہیں۔ "Karma" سے ہی دیویکا رانی جیسی مشہور اداکارہ کا فلموں سے تعارف ہوا۔ یوں تو خاموش فلموں کے دور میں ہزاروں فلمیں بنائی گئیں لیکن آج صرف چند فلموں کی ہی تفصیل دستاویزوں میں ملتی ہے۔

1931 عیسوی میں "عالم آرا" نے ہندوستان میں بولتی فلموں کی شروعات کی۔ اس کام کی تحریک 1929 عیسوی میں یہاں دکھائی گئی ایک فلم "The Melody of Love" سے ملی۔ دو سال کے اندر ہی آردیشر ایرانی کی فلم "عالم آرا" نے سارے ملک میں تہلکہ مچادیا۔ اسی فلم سے گیتوں کا سلسلہ بھی شروع ہوا کیونکہ پہلی بار اس فلم میں ۱۲ گیت شامل کئے گئے تھے جن کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے بغیر گیتوں کے بھی فلم بنانے کی کوشش کی لیکن ان میں سے صرف خواجہ احمد عباس کی "منا" اور بی آر چوپڑہ کی "قانون" ہی کامیاب ہو سکی۔ آج بغیر گیت اور رقص کے فلموں کا تصور بالخصوص تجارتی (Commercial) فلموں کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ حالیہ

دنوں میں رام گوپال درما کی فلم "کون" بھی بغیر گیتوں کے کسی حد تک کامیاب رہی ہے۔

جیسے جیسے بولتی فلموں کی مقبولیت بڑھتی گئی اسی طرح فلم سازوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ فلم اسٹوڈیو بننے لگے اور اب بمبئی کے علاوہ کلکتہ اور مدراس میں بھی فلمیں بنائی جانے لگیں۔ بمبئی میں وی شانتارام نے پربھات فلم کمپنی قائم کی اور تیزی سے فلمیں بنانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان کی فلموں میں "ایودھیا کا راجہ، سنت تکارام، امر جیوتی" اور "آدمی" قابل ذکر ہیں۔

جے بی ایچ واڈیا اور ہومی واڈیا نے پہلی ہیجان انگیز (Thriller) فلم "طوفان میل" بنائی۔ پہلی ہندو مسلم اتحاد پر مبنی فلم "جے بھارت" کا سہرا بھی واڈیا برادران کو ہی جاتا ہے۔ کلکتہ میں بسمل رائے نے "دو بیگھا زمین" جیسی نایاب فلم بنائی اور کندن لعل سہگل کی آواز کا جادو قائم کیا۔ ادھر مدراس میں کے۔ سبرامنیم نے تمل، تلگو اور ملیالم جیسی علاقائی زبانوں میں فلمیں بنانی شروع کیں۔

پانچویں دہائی کے شروع ہوتے ہوتے ہندی فلموں کا رواج عام ہو چکا تھا۔ "اسٹار سسٹم" کا آغاز ہوا اور "فارمولہ" فلمیں، خاص تجارت کی غرض سے بنائی جانے لگیں۔ اسی درمیان محبوب خان کی فلم "مدر انڈیا" کافی مشہور ہوئی۔ 1954 عیسوی میں ستیہ جیت رائے نے "پاتھر پنجالی" سے اپنی ہدایت کے جوہر دکھائے اور پھر بغیر رکے ہوئے انہوں نے بہت سی کامیاب فلمیں بنائیں۔ بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ستیہ جیت رائے کا نام ہی فلموں کی کامیابی کی دلیل تھا۔ انہوں نے بنگالی فلموں کے علاوہ 1977 عیسوی میں پریم چند کی کہانی پر ایک ہندی فلم "شطرنج کے کھلاڑی" بنائی۔

چھٹی اور ساتویں دہائی کے دوران فلموں میں مزید نکھار آیا اور نئے نئے اداکار سامنے آئے۔ فلمیں اب تک بلیک اینڈ وہائٹ بنا کرتی تھیں۔ لیکن 1953 عیسوی میں سہراب مودی کی فلم "جھانسی کی رانی" نے ہندوستان میں رنگین فلموں کی شروعات کی۔ یہ پہلی رنگین فیچر فلم تھی۔ انہیں دنوں بمبئی ٹاکیز کے کلیپر بوائے (Clapper Boy)، راج کپور نے فلموں میں اداکاری شروع کی۔ بعد میں وہ خود ہدایت کاری بھی کرنے لگے اور انہوں نے ناقابل فراموش فلمیں بنائیں۔ "آوارہ، برسات، شری چار سو بیس، سنگم، میرا نام جوکر" کے علاوہ "بابی" اور متنازعہ "ستیم شوم سندرم" جیسی مشہور فلمیں ان کی یادگار ہیں۔

1960 عیسوی میں "مغل اعظم" جیسی اردو فلم نہایت کامیاب ہوئی جو اردو کی دیگر فلموں

کے لئے مشعل راہ بنی۔ 1964ء میں بنی راج کپور کی فلم "سنگم" نے غیر ملکوں میں شوٹنگ (Shooting) کا سلسلہ شروع کیا۔ آزادی کے بعد کی سب سے کامیاب فلم 1975 عیسوی میں "شعلے" کے نام سے بنی۔ اس فلم میں نے ڈاکوؤں کے کردار کو فلموں میں اہمیت دی اور فلموں میں تشدد اور زیادتی کو دکھانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ فیروز خان کی فلم "قربانی" نے ہندی فلموں میں ڈسکو ڈانس کا رواج عام کیا۔ آٹھویں دہائی تک ہندی فلموں میں رقصوں کے علاوہ تشدد کا رواج بھی عام ہو چکا تھا۔

جہاں ایک طرف رومانی اور ہیجان انگیز فلمیں بنائی جا رہی تھیں وہیں دوسری طرف سیاسی اور سماجی موضوعات پر سنجیدہ فلمیں بھی بنائی جا رہی تھیں اور ان فلموں کی مقبولیت کسی طرح بھی تجارتی فلموں سے کم نہیں تھی۔ "سلام بمبئی، البرٹ پنٹو کو غصہ کیوں آتا ہے، حاضر ہو، بھاونی بھوائی، بینڈت کوین" کے علاوہ دور حاضر کی فلم "ستیہ" کافی مشہور و مقبول ہوئی ہیں۔

آج فلموں کے موضوعات کافی وسیع ہیں۔ اب نہ صرف مرد و عورت کے رشتے بلکہ عورت ۔ عورت کے تعلقات جیسے "فائر" اور جنسی موضوع پر بنی فلم "کام ستر" بھی مشہور ہوئیں۔ آج ہندوستانی فلموں کا کینوس کافی وسیع ہے اور اس میں انسانی زندگی کے علاوہ جانوروں اور پیڑ پودوں کی عکاسی بھی کی جا رہی ہے۔

دور حاضر میں ہندوستان میں تقریباً 900 فلمیں سالانہ بنائی جاتی ہیں جو کسی بھی اعتبار سے دنیا کی کسی فلم انڈسٹری سے کم نہیں ہیں۔ جہاں تک معیار کا سوال ہے ہندوستانی فلمیں آج بھی معیاری ہیں حال ہی میں حکومت ہند نے فلموں کے کاروبار کو باقاعدہ صنعت (Industry) ہونے کا درجہ عطا کیا ہے۔

ریڈیو کی ابتداء

دور قدیم میں ایسے آلۂ جات جو دوریوں کو لمحوں میں سر کر لیں، ایک خواب کی طرح تھے۔

کیونکہ ٹیلی گراف کی ایجاد سے قبل تک کوئی بھی خبر ایک تیز رفتار گھوڑے سے زیادہ تیز نہیں بھیجی جاسکتی تھی۔ لیکن 1840 عیسوی کے بعد نئی ٹکنالوجی نے بڑی سرعت سے ترقی کی اور مواصلاتی نظام میں انقلاب لادیا۔ برقی ٹیلی گراف (1844) ٹیلی فون (1876)، وائرلیس ٹیلی گراف (1896) کے بعد ریڈیو فون (1906) کی ایجادات نے مواصلات کے نئے اور تیز رفتار ذرائع پیدا کئے۔ سماجی زندگی کی تعریف بھی تبدیل ہوئی اور اس نے انسانی زندگی کو متاثر کیا۔ اب خبروں کی رفتار گھوڑے سے آگے بڑھ کر روشنی کی رفتار کے برابر تیز ہو گئی لیکن یہ سلسلہ تاروں سے ہی منسلک رہا۔

اسی دوران ایک جرمن سائنس داں ہینرک ہرٹز (Heinrich Hertz) نے تجربہ کر کے 1887 عیسوی میں ریڈیو لہروں کا پتہ چلایا۔ روشنی جیسی رفتار سے سفر کرنے والی ان لہروں پر مزید تجربے ہوئے اور 1895 عیسوی میں اٹلی کے ایک نوجوان مارکونی (Guglielmo Marco-ni) نے پیغاموں کو نشر کرنے کا کامیاب تجربہ کیا۔ اس نے اطالوی حکومت سے اپنے اس تجربے کو مزید آگے جاری رکھنے کے لئے مالی امداد کی درخواست کی۔ لیکن اطالوی حکومت نے اس کی یہ درخواست غیر اہم قرار دے کر مسترد کر دی اب مارکونی نے اپنی انگریز ماں کی ایماء پر 1897 عیسوی میں لندن جاکر اپنے تجربے کے لئے مالی امداد کی گزارش کی۔ وہاں اسے مالی امداد کے ساتھ ساتھ سہولتیں بھی فراہم کی گئیں اور مسلسل تجربے کے بعد 1901 عیسوی میں اس نے طاقتور ٹرانسمیٹروں کے ذریعہ پیغامات کو دور تک نشر کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔ ریڈیو کا یہ کامیاب تجربہ ٹیلی گراف سے بہتر تھا جس کے لئے زمین پر تاروں کا جال بچھانا ضروری تھا۔ ریڈیو کی ایجاد نے سمندر میں جہازوں کے آپس میں اور دوران کے کنٹرول اسٹیشن سے رابطہ قائم کرنے میں آسانی فراہم کی۔ اس طرح مارکونی نے مسلسل جدوجہد کے بعد ریڈیو جیسی مقبول عام چیز ایجاد کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

ابتدائی دور میں ریڈیو سیٹ کافی بڑا اور وزنی ہوا کرتا تھا۔ جسے ایک بڑے کمرے میں ہی قائم کیا جاسکتا تھا۔ مارکونی چونکہ سائنس داں نہیں تھا اس لئے اس نے فریکوئنسی (Frequency) کا غلط انتخاب کیا۔ اس طرح اسے نہایت طاقتور برقی رو کے علاوہ مضبوط تاروں اور بڑے بڑے اینٹینا (Antenna) کی ضرورت ہوتی تھی۔ لیکن 1904 عیسوی میں اس نے ایک نیا آلہ بنایا جس کے ذریعہ پیغامات کو ایک خاص فریکوئنسی پر نشر کیا جاسکتا تھا اور حاصل کرنے والا ریڈیو سیٹ اسی

FH-85
Acc-60
TH-8560
Thesis
9P:(D,65) 168PO
Jawaharlal Nehru University Library

خاص فریکوئنسی پر اس پیغام کو حاصل کر سکتا تھا۔ اس طرح الگ الگ فریکوئنسی پر الگ الگ پیغام بغیر کسی دوسرے پیغام کو خلل انداز کئے نشر کئے جا سکتے تھے۔

1906 عیسوی میں رینالڈ فیسنڈن (Reignald A. Fessenden) نے بوسٹن کے قریب ایک تجرباتی اسٹیشن سے ٹیلی فون کے ماؤتھ پیس کو مائکروفون کے طور پر استعمال کر کے اپنی آواز کو نشر کرنے کا پہلا کامیاب تجربہ کیا۔ اسی برس لی ڈی فورسٹ (Lee De Forest) نے آڈین نام کی خلائی نلی (Vaccum Tube) کے استعمال سے ریڈیو لہروں کو مزید وضح کیا اور چھوٹے آواز گیر (Receiver) کی مدد سے ایک چھوٹے بکس کے برابر کا ریڈیو سیٹ بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ریڈیو نے مزید ترقی کی اور ہوائی جہاز سے نشر ہونے والا پیغام بھی زمین پر سنا جانے لگا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد ریڈیو کی مانگ میں اضافہ ہوا اور اسے چھوٹے سے چھوٹا بنانے کی مہم شروع ہوئی۔ محنت و تجربات کے بعد ریڈیو کو چھوٹے ڈبے کے برابر بنانے میں کامیابی حاصل ہوئی اس سلسلے میں مشہور زمانہ جہاز Titanic کو بچانے کے لئے دوسرے جہاز کے ریڈیو آپریٹر ڈیوڈ سارنوف کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس نے ریڈیو کارپوریشن آف امریکہ میں کام کرتے ہوئے ریڈیو کو مزید سستا اور آسانی سے دستیاب ہونے والا بنا دیا۔ عوام میں اس کی مانگ بڑھتی گئی اور 1922 عیسوی تک تقریباً پانچ لاکھ ریڈیو سیٹ عوام تک پہنچ چکے تھے۔ 1925 عیسوی تک پوری دنیا میں ریڈیو سیٹ کی تعداد ایک کروڑ تک پہنچ چکی تھی۔ اب اسے برقی رو کے ساتھ ساتھ بیٹری سے بھی استعمال کیا جانے لگا۔

ریڈیو اب تک چھوٹی لہروں (Short Wave) اور درمیانی لہروں (Medium Wave) کی فریکوئنسی پر ہی پیغامات نشر اور موصول کرتا تھا۔ 1933 عیسوی میں نسبتاً ایک غیر معروف شخص ایڈون آرم اسٹرونگ (Edwin Armstrong) نے ایک نئے قسم کی ریڈیو لہروں Frequency Modulation کا کامیاب تجربہ کیا۔ FM کے نام سے مشہور یہ لہریں AM یعنی (Amplitude Modulation) کے برعکس کمزور تھیں۔ لیکن اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ یہ آواز کی اونچی اور نیچی لہروں کو بغیر کسی دشواری کے نشر کر سکتا تھا جو

موسیقی کی نشریات کے لئے نہایت مناسب تھا۔

ابتدائی دور میں اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی کیونکہ اس کی لہریں AM کے مقابلے میں نہایت کمزور اور محدود تھیں۔ یہاں تک کہ لہروں کے سامنے آنے والی کوئی بڑی عمارت اس میں خلل پیدا کر سکتی تھی اور ان لہروں کے سیدھے سفر کرنے کی وجہ سے ایک محدود حلقے تک ہی اس کی نشریات کو سنا جا سکتا تھا۔

لیکن اسی FM لہروں نے ٹیلی ویژن کی لہروں کے لئے راہ ہموار کی اور ساتھ ہی مقامی ریڈیو کا آغاز ہوا۔ اب مخصوص علاقوں پر منحصر نشریات شروع ہوئیں اور علاقائی خبریں نشر ہونے لگیں۔ ریڈیو کارپوریشن آف امریکہ نے اس کے استعمال سے ٹیلی ویژن کی نشریات کا آغاز کیا۔ جب آرم اسٹرانگ نے دیکھا کہ اس کا استعمال دوسری کمپنیاں بھی کرنے لگی ہیں تو اس نے FM کے استعمال کے خلاف اور اس کے حقوق اپنے پاس محفوظ رکھنے کے سلسلے میں عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ عدالت نے اس سلسلے میں کافی لمبا وقت لیا۔ اگرچہ اس مقدمے کا فیصلہ آرم اسٹرانگ کے ہی حق میں ہوا لیکن اس سے قبل ہی مقدمے کی تلخی اور مایوسی نے اسے خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا۔

ہندوستان میں ریڈیو کی ابتداء و ارتقاء

ہندوستان میں ریڈیو نشریات کی ابتداء 20 راگست 1921 عیسوی میں اس وقت ہوئی جب ٹائمس آف انڈیا اور پوسٹ و ٹیلی گراف شعبے نے مل کر اخبار کے بمبئی آفس سے پہلی بار علاقے کے گورنر سر جارج لوئڈ کی ایماء پر موسیقی کا ایک خاص پروگرام نشر کیا۔ اس پروگرام کو گورنر صاحب نے 175 کلو میٹر دور پونا میں سنا۔ اس معمولی شروعات کے بعد ہندوستان میں ریڈیو نشریات کی ترقی ہوتی چلی گئی۔

مستقل نشریات کا آغاز کلکتہ، بمبئی، مدراس اور لاہور کے ریڈیو کلبوں سے ہوا۔ سب سے پہلے 16 مئی 1924 عیسوی کو مدراس پریسیڈینسی ریڈیو کلب کی بنیاد رکھی گئی۔ یہاں سے نشریات کا

آغاز 31/ جولائی سے ہوا۔ لیکن معاشی بدحالی کے سبب یہ نشریات بند کر دینی پڑی۔ کچھ ایسا ہی انجام دیگر ریڈیو کلبوں کا بھی ہوا۔ 1927 عیسوی میں انڈین براڈ کاسٹنگ کمپنی لمیٹڈ کا قیام عمل میں آیا۔ لیکن ساری دنیا کی طرح یہاں بھی حکومت نے اس کی اہمیت کو سمجھنے میں کافی دیر لگائی۔ اگرچہ ریڈیو کے عاشقوں نے اسے ایک دلچسپ مشغلہ سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا اور صنعت کاروں نے اس میں کاروبار کے نئے مواقع دیکھے۔

یوں تو ہندوستان میں نشریات کا یہ سلسلہ 1930 عیسوی میں ہی ختم ہو گیا ہوتا اگر اس کے دیوانوں نے حکومت کو اسکی امداد کے لئے مجبور نہ کیا ہوتا۔ پہلے تو حکومت نے کچھ دلچسپی نہیں دکھائی لیکن عوام کے بڑھتے اصرار اور BBC کی کامیابی نے حکومت ہند کو اس کے لئے بھی کچھ رقم منظور کرنے کو مجبور کر دیا۔

ہندوستان میں حکومت کی بے توجہی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ BBC کے پہلے ڈائرکٹر جنرل جان ریتھ (John Reith) نے ہندوستان میں براڈ کاسٹنگ کے فروغ کے سلسلے میں دلچسپی دکھائی اور اپنے منصوبے پر مارکونی کمپنی کے کرنل سمپسن (Col. Simpson) سے تبادلۂ خیال کیا اور ان سے مدد کی درخواست بھی کی۔ جان ریتھ کی تجویز انگلینڈ سے ہی انڈین براڈ کاسٹنگ شروع کرنے کی تھی۔ انہوں نے BBC کے بورڈ آف گورنر کی منظوری کے بعد 1924 عیسوی میں ہندوستان کی حکومت سے رابطہ قائم کیا لیکن حکومت ہند نے ان کی تجویز ماننے سے انکار کر دیا۔ 1927 عیسوی میں انڈین براڈ کاسٹنگ کمپنی کے قیام کے بعد ریتھ نے دوبارہ اس کمپنی کے چیرمین سے رابطہ قائم کیا۔ لیکن یہاں بھی بات نہیں بن سکی۔ ریتھ نے اس کی تفصیل اپنی ڈائری میں یوں لکھی ہے۔ ''اگر ہندوستان میں براڈ کاسٹنگ کی شروعات ہو گئی ہوتی تو آگے کے حالات بالکل مختلف ہوتے'' Mass Communication in India, Keval J. Kumar-Pg-110

ادھر مدراس کارپوریشن نے یکم اپریل 1930 عیسوی سے تفریحی پروگراموں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ 1930 عیسوی میں ہی حکومت نے عوام کی بڑھتی ہوئی مانگ کے مد نظر انڈین براڈ کاسٹنگ کمپنی کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ اور اس کا ماہانہ خرچ جو پہلے ہی سے نہایت کم یعنی صرف 24 ہزار روپے تھا، مزید کم کر دیا۔ اب صرف 22 ہزار روپے ہی اس کے اخراجات کے لئے دیئے جاتے

تھے۔ جہاں ایک طرف دنیا کے دیگر ملکوں میں ریڈیو نشریات زور پکڑ رہی تھیں اور حکومتیں اس کی ترقی کے لئے کوشاں تھیں وہیں ہندوستان میں اس کے اخراجات میں کمی کر کے پروگراموں کے معیار کو مزید خراب کر دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں ریڈیو کے لائسنس جن کی تعداد 1929 عیسوی میں 7,775 ہوا کرتی تھی کم ہو کر 1930 عیسوی میں صرف 7,719 ہی رہ گئی۔

1930 عیسوی حکومت نے بمبئی اسٹیشن کو اپنے قبضے میں لے کر اس کا نام انڈین اسٹیٹ براڈکاسٹنگ سروس (ISBS) Indian State Broadcasting Service رکھ دیا۔ ستمبر 1935 عیسوی میں میسور یونیورسٹی میں نفسیات کے پروفیسر ڈاکٹر گوپال سوامی نے 30 واٹ کا ایک ٹرانسمیٹر اپنے گھر کی چھت پر نصب کرایا اور "آکاشوانی" کے نام سے ریڈیو نشریات کا آغاز کیا جس کا سلسلہ عوامی امداد اور میسور میونیسپل کارپوریشن کی مدد سے 1941 عیسوی تک قائم رہا جب میسور کی حکومت نے اسے اپنی نگرانی میں لے لیا۔

30/ اگست 1935 عیسوی کو BBC سے آئے لائنل فیلڈن (Lionel Fielden) نے ہندوستان کے پہلے براڈکاسٹنگ کنٹرولر کا عہدہ سنبھالا۔ انہوں نے اپنی خودنوشت (Auto-biography) میں ہندوستانی نشریات کے ابتدائی دور کی تفصیل کچھ اس طرح درج کی ہے :

"A group of Indian businessmen, fired by the financial success of European broadcasting, had floated a Company in 1927, with too meagre capital, built two weak little station at Calcutta and Bombay, in the following three years they had gathered some 7,000 listeners and lost a great deal of money. They decided to go into liquidation. The government of India, which then and later with considerable wisdom-thougt broadcasting a curse was there upon bullied by the vested interests of radio dealers to buy up the transmitters. Having done so, it proceeded, quite naturally, to economise,

file writers in Delhi could hardly be expected to sanction Public expenditure on music, drama and similar relevancies : It seemed obvious that all such frivolous waste should be avoided.

The programmes accordingly deteriorated even from their former low standard and Indian Broadcasting would have spiralled down to complete eclipse had not the BBC, at the critical moment, started one empire programme on the short wave. Europeans in India rushed to buy sets, and since the government had, by way of strangling broadcasting altogether, put on import duty of fifty percent on sets, even the 8000 extra sets purchased brought quite a deal of money under the broadcasting head. The dealers cried that broascasting's profit must be used for broadcasting. The government replied with the offer of a new station at Delhi and a man - me, from the BBC. But, however much English residents of India listened to the BBC - and to the radio dealers it did not matter, then, who listened to what as long as sets were sold,,.

(The Natural Bent - Lionel Fielden , P-159,)

فیلڈن نے ہندوستانی نشریات کے سلسلے میں تیزی سے کام شروع کیا۔انہوں نے BBC کی مدد سے دلی سے ایک پروگرام کی نشریات شروع کیں۔دھیرے دھیرے حکومت نے بھی اس سلسلے میں ضروری سازوسامان بہم پہنچائے اور فیلڈن نے اعلیٰ حکام کو بھی اپنی نشریات کی طرف متوجہ کیا۔

1930 عیسوی میں حکومت نے Indian State Broadcasting Service (ISBS) کے نام سے ایک مکمل ادارہ تشکیل دیا۔ اس ادارے نے ہی ہندوستان میں نشریاتی ادارے کی شکل اختیار کی۔ فیلڈن کے کنٹرولر بننے کے بعد اگرچہ اس ادارے نے کافی ترقی کی لیکن انہیں اس ادارے کا یہ نام اور مخفف (ISBS) بالکل پسند نہیں تھے۔ فیلڈن کا خیال تھا کہ اس کا نام آسان اور مناب ہونا چاہئے۔ آل انڈیا ریڈیو (AIR) کا نام بھی فلیڈن کے ہی ذہن کی تخریب تھی۔ لیکن انہوں نے اس نام کو حکومت کے ذریعہ قبول کرنے کے سلسلے میں کافی کوششیں کیں اور شروع میں ناکام بھی ہوئے۔ لیکن بعد میں ISBS کا نام تبدیل کر دیا گیا اور 8/ جون 1936 عیسوی کو اس کا نام آل انڈیا ریڈیو (AIR) رکھا گیا۔

ISBS کے AIR میں تبدیل ہونے کی کہانی کافی دلچسپ ہے۔ فیلڈن نے اپنی خود نوشت میں اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے :

" I had never liked the title ISBS which to me seemed not only unwieldly but also tainted with officialdom. After a good deal of cogitation- which may seem ridiculous now, but these apparently simple and obvious things do not always appear easily. I had concluded that All India Radio would give me not only protection from the clauses which I most feared in the 1935 Act, but would also have the suitable initials, AIR. I worked out a monogram which placed these letters over the map of India .....

But when I mooted this point, I found that there was immense opposition in the secretariat to any such change. They wanted ISBS and they thought it fine. I realised that I must employ a little unnaturel tact. I cornered Lord Linlith-

glow after a viceroyal banquet and said plaintively that I was in a great difficulty and needed his advice. (He usually responded well to such an opening). I said, I was sure that he agreed with me that ISBS was a clumsy title. After a slight pause, he nodded his long head wisely. Yes, it was rather a mouthful. I said that perhaps it was a pity to use the word broadcasting at all, since all Indians had to say 'broadcasting' - broad was for them an unpronouncable word. But I could not think of another title: could he help me ? ' Indian state' I said, was a term which, as he well knew, hardly fitted into the 1935 Act. It should be something general. He rose beautifully to the bait. ' All India , I expressed my astionishment and admiration . The very thing . But surely not ' 'broadcasting ?' After some thought he suggested 'radio' . Splendid, I said and what beautiful initials.The viceroy concluded that he had invented it, and there was no more trouble. His pet name must be adopted. Thus 'All India Radio ' was born".

(The National Bent -Lionel fielden ,-P-193

اس طرح 1936 عیسوی میں انڈین اسٹیٹ براڈکاسٹنگ سروس کا نام تبدیل ہو کر آل انڈیا ریڈیو ہو گیا جو آج بھی جاری ہے۔

فینڈن کی نگرانی میں آل انڈیا ریڈیو کی روز بہ روز ترقی ہوتی گئی۔ نئے نئے تجربے کئے گئے۔ فروری 1938 عیسوی میں خورد لہروں (Short Wave) کا ترسیلی عمل (Transmission)

شروع کیا گیا۔1939 عیسوی میں آل انڈیا ریڈیو سے ہندوستان کے باہر بھی پروگرام سنے جانے لگے۔ اسی سال External Services Division کا وجود عمل میں آیا۔ کچھ ہی دنوں میں دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ اُن دنوں براڈکاسٹنگ کنٹرولر فیلڈن بھی چھٹیوں پر ہندوستان سے باہر گئے ہوئے تھے۔ لیکن ان کے ڈپٹی احمد شاہ بخاری نے نئے حالات سے نمٹنے کے لئے ریڈیو کے پروگراموں میں تبدیلی کی اور پہلی بار 3/ ستمبر 1939 عیسوی کو دوسری جنگ عظیم کے بارے میں پہلا رسمی اعلان (Formal Declaration) آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوا۔

اسی دوران ناگہانی اقدام کے تحت یکم اکتوبر 1939 عیسوی سے ریڈیو کی کل نشریات کو روزانہ 50 گھنٹے 45 منٹ سے بڑھا کر 70 گھنٹے 15 منٹ کر دیا گیا اور اور 5 ہندوستانی زبانوں تمل، تلگو، گجراتی، مراٹھی اور پشتو میں نیوز بلیٹین کی ابتداء ہوئی۔ تاکہ عوام کو جنگ کے حالات سے باخبر رکھا جائے۔ علاوہ ازیں انگریزی، ہندوستانی اور بنگالی زبانوں میں پہلے سے ہی خبروں کا سلسلہ جاری تھا۔ پانچ زبانوں کے مزید شامل ہو جانے سے روزانہ خبروں کے 27 بلیٹین نشر ہونے لگے۔ نازی پروپیگنڈا کو بے اثر کرنے کے لئے غیر ملکی زبانوں میں بھی نشریات کی ابتداء ہوئی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے فارسی میں نشریات 4 دسمبر 1939 عیسوی میں شروع ہوئیں۔

اسی دوران ریڈیو کے پروگراموں کے محاسبہ کے لئے ایک ادارہ قائم کیا گیا اور براڈکاسٹنگ کنٹرولر کو اس کا صدر نامزد کیا گیا۔ جنگ کے دوران پروگراموں کی جانچ کی جانے لگی اور ہندوستانی عوام کو صبر و تحمل سے کام لینے کی گزارش کی گئی۔ اسی دوران اپریل 1940 عیسوی میں فیلڈن کا آل انڈیا ریڈیو سے معاہدہ ختم ہو گیا اور وہ لندن واپس چلے گئے۔ احمد شاہ بخاری نے فیلڈن کی جگہ لی۔

1941 عیسوی میں جاپان کے بھی جنگ میں شامل ہو جانے کی وجہ سے حالات اور زیادہ بگڑ گئے۔ آل انڈیا ریڈیو نے ایک اضافی ساؤتھ انڈین سروس شروع کی جس کا مقصد جنوب مشرقی ایشیا میں رہ رہے تمل باشندوں تک جنگ کی خبریں پہنچانا تھا۔ آل انڈیا ریڈیو نے عوام کو نازی اور فاشزم کے خطروں سے آگاہ کرنے اور انہیں کسی بھی فضائی حملے سے بچاؤ کی ترکیبوں کے علاوہ دشمن کے ذریعہ پھیلائی گئی افواہوں کو بے اثر کرنے کا بھی کام کیا۔ جنگ سے متعلق افواہیں جرمنی سے مسلسل نشر کی جا رہی تھیں۔ آل انڈیا ریڈیو نے پانچ منٹ کا ایک انگریزی پروگرام "Counter Attack"

کے نام سے شروع کیا۔ جلد ہی اس کا ترجمہ ''جوابی حملہ'' کے عنوان سے ہندوستانی زبان میں بھی نشر ہونا شروع ہوا۔ اس کا مقصد نازیوں کی فتح یابی سے پیدا شدہ حالات کو قابو میں کرنا اور ہندوستانیوں کو اس کے اثر سے دور رکھنا تھا۔

1942 عیسوی میں کلکتہ اسٹیشن سے امریکی تکنیکی مشن کے دو ممبروں کو جنگ کے حالات پر تبصرہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ انہیں دنوں دہلی اسٹیشن سے ''نئی دنیا'' کے عنوان سے ایک نشریہ شروع ہوا جس میں ملک کے دانشوروں کے ذریعہ جنگ کے حالات کا جائزہ لیا جاتا تھا۔ اس پروگرام کو لکھنؤ اور لاہور کے اسٹیشن بھی نشر کرتے تھے۔ اس پروگرام کے تحت ڈاکٹر ذاکر حسین، سر شفاعت احمد خاں ار سر ظفر اللہ خاں جیسے دانشوروں کے تبصرے نشر ہوا کرتے تھے۔

1945 عیسوی میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد 15/ اگست 1945 عیسوی کو وائسرائے ہند نے دہلی اسٹیشن سے جنگ کے خاتمے کا اعلان کیا۔ اس نشریے کو ہندوستان کے سبھی ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر کیا گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے سے لے کر ہندوستان کی آزادی تک دو سال کے وقفے میں سارا ملک الجھاؤ اور فرقہ وارانہ کشیدگی کا شکار رہا۔ دو سیاسی پارٹیاں کانگریس اور مسلم لیگ ایک دوسرے کی دشمن بنی ہوئی تھیں اور اقتدار کی جنگ نے آپسی نااتفاقی اور تشدد کا ماحول بنا رکھا تھا۔ ایسے حالات میں آل انڈیا ریڈیو بھی اس سے مبرا نہ رہ سکا اور نہ صرف خبروں بلکہ دیگر پروگراموں میں بھی اس کی جھلک دیکھنے کو ملی۔ اس دوران آل انڈیا ریڈیو کی توسیع کی ساری تجویزیں بھی التوا میں پڑ گئیں جن میں پہلے ہی جنگ عظیم کی وجہ سے چھ سال کی تاخیر ہو چکی تھی۔ عبوری حکومت میں سردار پٹیل کے اطلاعات و نشریات کی وزارت سنبھالنے کے بعد آل انڈیا ریڈیو کے ڈائرکٹر جنرل احمد شاہ بخاری کو ان کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا اور وہ دسمبر 1946 عیسوی میں لاہور چلے گئے۔

اسی دوران کلکتہ میں زبردست ہندو مسلم فساد بھڑک اٹھا اور ریڈیو کے پروگرام بھی متاثر ہوئے۔ 15/ اپریل 1947 عیسوی کو مہاتما گاندھی اور محمد علی جناح کے مشترکہ دستخط سے امن کے لئے کی گئی اپیل کو ہندوستان کے سبھی ریڈیو اسٹیشنوں سے ایک ساتھ نشر کیا گیا۔ آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی آمد کے بعد سیاسی حالات میں تیزی سے تبدیلی آئی اور 3/ جون 1947 عیسوی کو

ملک کی تقسیم کا اعلان کر دیا گیا۔ اسی دن دہلی ریڈیو اسٹیشن سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن پنڈت جواہر لعل نہرو۔ محمد علی جناح اور عبوری حکومت کے وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ نے عوام کے نام پیغامات نشر کئے۔

ملک کی تقسیم کے ساتھ ہی ہندوستان میں موجود نو(۹) ریڈیو اسٹیشنوں کے بٹوارے کا معاملہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جغرافیائی حدود کے اعتبار سے صرف لاہور، ڈھاکہ اور پیشاور ہی پاکستان کے حصے میں آئے جبکہ ہندوستان کے پاس دہلی، بمبئی، کلکتہ، مدراس، لکھنؤ اور ترو چناپلی رہ گئے۔ آل انڈیا ریڈیو نے اپنے سبھی اسٹیشنوں کے کارکنوں سے ان کی مرضی کے مطابق ہندوستان اور پاکستان کے اسٹیشنوں میں تبادلہ کے لئے رائے مانگی اور جن لوگوں نے پاکستان جانے کی خواہش ظاہر کی انہیں پاکستان کے ریڈیو اسٹیشنوں میں تبادلہ کر دیا گیا۔

برطانوی اقتدار سے ہندوستان کے آزاد ہونے کی تاریخی اور جذباتی تقریب کا پارلیامنٹ کے سنٹرل ہال سے آنکھوں دیکھا سیدھا نشر یہ ریڈیو کے ذریعہ سارے ملک میں سنا گیا پنڈت جواہر لعل نہرو کی تاریخی تقریر اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے عوام سے خطاب کو سارے ملک نے دلچسپی سے سنا۔ ریڈیو کے لئے گاندھی جی کی ستمبر 1947 عیسوی میں دہلی آمد سے لے کر ان کی موت تک روزانہ ان کی پرارتھنا سبھاؤں کو ہر شام ریکارڈ کیا جاتا رہا ہے۔ آج آکاشوانی کے آرکائیو (Archive) میں گاندھی جی کی پرارتھنا کا 51 گھنٹے کا ریکارڈ موجود ہے۔ 12/ نومبر 1947 عیسوی کو پہلی اور آخری بار گاندھی جی نے دہلی کے ریڈیو اسٹیشن سے تقریر کی اور پاکستان سے آئے مہاجروں کو خطاب کیا۔ اپنی بیس منٹ کی تقریر میں انہوں نے لوگوں کو صبر و تحمل سے کام لینے کی اپیل کی۔

30/ جنوری 1948 عیسوی کو گاندھی جی کے قتل کی اطلاع پہلی بار دہلی مرکز سے شام چھ بجے کی انگریزی خبروں میں نشر کی گئی۔ اسی رات ساڑھے آٹھ بجے پنڈت جواہر لعل نہرو نے عوام کو خطاب کیا۔ گاندھی جی کی آخری رسومات کی آنکھوں دیکھی تفصیل مالول ڈی میلو (Melville De Mellow) اور ایل۔ کے۔ جھانے برلا ہاؤس سے بیان کی جسے تمام ریڈیو مراکز نے ایک ساتھ نشر کیا اور جب ان کی جسد خاکی کو باہر لا کر فوجی ٹرک پر رکھا گیا تو ڈی میلو اپنے موبائل ٹرانسمیٹر کے ساتھ ایک پولیس گاڑی میں بیٹھ گئے اور مسلسل دس گھنٹے کی لمبی روداد (Commentery) بیان کی جو ریڈیو کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ ہے۔

1950 عیسوی کے اختتام تک آل انڈیا ریڈیو کے 25 مراکز قائم ہو چکے تھے اور ان سب مراکز سے 60 ہزار گھنٹے کا سالانہ پروگرام نشر ہو رہا تھا۔ خارجی نشریات کے تحت گیارہ غیر ملکی زبانوں میں تقریباً 116 گھنٹے کا پروگرام ہر ہفتہ نشر ہوتا تھا۔ 1951 عیسوی میں پہلے پانچ سالہ منصوبے کے تحت آل انڈیا ریڈیو کے فروغ کے لئے چار کروڑ روپے منظور کئے گئے۔

20/ جولائی 1952 عیسوی کو ریڈیو سے موسیقی کا پہلا قومی پروگرام نشر ہوا۔ اسی سال اکتوبر میں آل انڈیا ریڈیو کے قومی آرکسٹرا کی بنیاد رکھی گئی۔ پنڈت روی شنکر کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔

15/ اپریل 1953 عیسوی کو پہلی بار علاقائی خبروں کا بلیٹن ہندی میں لکھنؤ سے اور ناگپور سے مراٹھی میں شروع کیا گیا۔

1955 عیسوی میں سردار پٹیل میموریل لکچر اور ریڈیو نیوز ریل جیسے پروگرام شروع کئے گئے۔ 1956 عیسوی میں اس وقت کے ڈائرکٹر جنرل جے سی ماتھر کی ذاتی دلچسپی کی بناء پر اوپیرا، ڈراموں اور فیچر کے قومی پروگرام شروع ہوئے۔ ہندوستانی کلاسیکی موسیقی کا بھی فروغ ہوا۔ اس وقت تک ہندوستان میں 26 ریڈیو مراکز سے نشریات کی جا رہی تھیں اور ملک کی تقریباً 46 فی صد آبادی ان نشریات سے مستفید ہو رہی تھی۔

انہیں دنوں سری لنکا سے ریڈیو سیلون کی نشریات شروع ہوئیں اور اس نے کافی حد تک ہندوستانی عوام کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ امین سیانی کی سحر انگیز آواز اور گیتوں کے پروگراموں نے سامعین کا دل موہ لیا۔ آل انڈیا ریڈیو نے 3/ اکتوبر 1957 کو بمبئی سے گیتوں اور غزلوں وغیرہ کے لئے ایک خاص نشریہ وودھ بھارتی کے نام سے شروع کیا جو دراصل ریڈیو سیلون کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو کم کرنے کے لئے تھا۔

25/ جنوری 1958 عیسوی کو لوک موسیقی (Folk Music) کا ایک پروگرام "Songs of Nation Builders" کے عنوان سے شروع کیا گیا جس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے فنکاروں نے حصہ لیا۔ لیکن اس پروگرام کا سلسلہ زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکا۔ 22/ فروری 1959 عیسوی کو مولانا آزاد کی پہلی برسی کے موقع پر دہلی مرکز سے "اردو مجلس" کی

نشریات شروع ہوئیں۔

15/ ستمبر 1959 عیسوی کو دہلی سے ٹیلی ویژن کی پہلی تجرباتی نشریات شروع ہوئی۔ اسی سال نومبر میں Radio Rural Forum (ریڈیو گرام سبھا) کے منصوبے کے تحت گاؤں میں لوگوں کو گروہوں میں ریڈیو سننے کے لئے منظم کیا گیا۔ ریڈیو سے کسانوں کی پریشانیوں اور ان کے مسائل کا حل بھی نشر کیا جانے لگا۔ یہ سلسلہ آج بھی مزید بہتر شکل میں جاری ہے۔

2/ جون 1962 عیسوی کو کرسیانگ میں 20 کلوواٹ کا ایک ٹرانسمیٹر نصب کیا گیا جس کا مقصد نیپالی، سکمی اور بھوٹانی زبانوں میں پروگرام نشر کرنا تھا۔ یہ نشریات شمالی بنگال اور اس کے اطراف وجوانب کے علاقوں کے عوام کے لئے مخصوص تھیں اسی اثناء میں وودھ بھارتی کے نشریات مقبول ہوتی گئیں اور کانپور و چندی گڑھ میں اس کے نئے مراکز قائم ہوئے جبکہ دیگر 26 مراکز میں بھی اس کے ٹرانسمیٹر نصب کئے گئے۔

1966 عیسوی تک آل انڈیا ریڈیو کے نیٹ ورک میں 54 مراکز شامل ہو چکے تھے۔ جس کے ذریعہ 82 درمیانی لہروں (Medium Wave) اور 28 خورد لہروں (Short Wave) کے ٹرانسمیٹر کا استعمال ہو رہا تھا اور یہ ملک کی 70 فی صد آبادی تک ریڈیو کی نشریات پہنچا رہے تھے۔ 15/ اگست 1965 عیسوی کو آل انڈیا ریڈیو کے دہلی مرکز سے ایک گھنٹے کے ٹیلی ویژن نشریات کی ابتداء ہوئی۔

1964 عیسوی میں وزیر اطلاعات ونشریات مسز اندرا گاندھی نے اشوک کمار چندا کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی تاکہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے مزید فروغ کے لئے مشورے لئے جائیں۔ 1966 عیسوی میں اس کی رپورٹ پیش کی گئی جس کے تحت ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے لئے دو الگ الگ ادارے قائم کرنے کی تجویز تھی جو اس وقت منظور نہ ہو سکی۔

ریڈیو کے پروگرام اب تک سرکاری خرچ پر بنائے جاتے تھے لیکن 1967 عیسوی میں پہلی بار بمبئی مرکز سے ریڈیو پر اشتہارات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی سال خاندانی منصوبہ بندی پر مبنی سماجی اشتہارات مختلف مراکز سے نشر ہونے لگے۔

1967 عیسوی میں ہی ریڈیو نشریات کے لئے 9 نکاتی لائحہ عمل وضع کئے گئے۔ ان

نکاتوں کے تحت کسی بھی نشریے کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ :

☆ دوست ملک پر طنز کرے

☆ مذہب اور قوم پر کوئی حملہ کرے

☆ کوئی بھی غیر مہذب اور توہین آمیز الفاظ استعمال کرے

☆ تشدد کو بھڑکائے یا ایسی کوئی بھی بات کرے جو قانون کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالے

☆ عدالت کے حکموں کی خلاف ورزی کرے

☆ صدر مملکت، گورنر ریاست یا عدلیہ کے خلاف بیان بازی کرے

☆ کسی بھی سیاسی جماعت پر نام لے کر حملہ کرے

☆ مرکز یا ریاست کی بد اندیشی کرے

☆ آئین کی خلاف ورزی یا اس کے خلاف تشدد آمیز طریقے سے احتجاج کرے۔

ان نکات کے ساتھ سبھی اسٹیشن ڈائرکٹروں کو یہ ہدایت بھی دی گئی کہ وہ ایسی کسی بھی نشریات پر روک لگائیں جو ان اصولوں کی خلاف ورزی کر رہی ہو۔

1974 عیسوی تک آل انڈیا ریڈیو کے نیٹ ورک میں 70 مراکز شامل ہو چکے تھے 108 درمیانی لہروں اور 32 خورد لہروں کے ٹرانسمیٹر ملک کی 81 فی صد آبادی تک ریڈیو کی نشریات پہنچا رہے تھے۔ 1974 عیسوی میں ہی "آکاشوانی سالانہ اعزاز" کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ اعزاز ڈراموں، فیچر اور موسیقی کے اچھے پروگراموں کو دیا جاتا تھا۔

یکم اپریل 1976 عیسوی کو ٹیلی ویژن کو آل انڈیا ریڈیو سے الگ کر دیا گیا اور اب ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے دو الگ الگ ادارے قائم ہوئے۔ جولائی 1977 عیسوی میں مدراس ریڈیو مرکز سے پہلی FM سروس شروع ہوئی۔ یہ ملک کا پہلا FM اسٹیشن تھا۔ 1978 عیسوی کے اختتام تک آل انڈیا ریڈیو کے 82 مراکز قائم ہو چکے تھے جن کے تحت 124 / درمیانی لہروں، 32 خورد لہروں اور ایک FM ٹرانسمیٹر ملک کی 90 فی صد آبادی تک ریڈیو کی نشریات پہنچا رہے تھے۔ 1979 اور 1980 عیسوی کے دوران کلکتہ اور بمبئی میں بھی FM کے ٹرانسمیٹر نصب کر دیئے گئے۔ 1984 عیسوی میں پہلا مقامی ریڈیو اسٹیشن ناگرکول میں قائم کیا گیا۔

26 جنوری 1985 عیسوی کو دودھ بھارتی کے بعد آکاشوانی کے بنیادی چینل پر بھی اشتہاروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی سال 15/ اگست سے ہر گھنٹے کے خبروں کا بلیٹن شروع ہوا۔ 18/ مئی 1988 عیسوی کو ریڈیو پر نیشنل چینل کا قیام عمل میں آیا۔ اس چینل پر خبروں کے بلیٹن کے علاوہ قومی مفاد کے پروگراموں کی نشریات کا سلسلہ شروع ہوا۔ جنوری 1993 عیسوی میں دہلی مرکز سے فون۔ ان پروگرام کی ابتداء ہوئی۔ اب ریڈیو کے پروگراموں کے درمیان سامعین فون کر کے اپنے مسائل بتا سکتے تھے اور اس کا جواب بھی اسی وقت نشر ہو رہے پروگرام میں سن سکتے تھے۔ اسی سال FM چینل کی ذمہ داری نجی ہاتھوں میں سونپ دی گئی۔ جنوری 1995 عیسوی میں ریڈیو پیجنگ سروس کی ابتداء ہوئی۔

1998 عیسوی میں FM چینلوں کی ذمہ داری نجی ہاتھوں سے دوبارہ آکاشوانی میں واپس آگئی۔ 1999 عیسوی کے نصف تک ہندوستان میں ریڈیو سیٹوں کی کل تعداد ساڑھے گیارہ کروڑ تک پہنچ چکی تھی اور 180 سے زائد نشریاتی مراکز کی مدد سے ملک کی تقریبا صد فی صد آبادی تک ریڈیو کی نشریات پہنچ رہی تھیں۔

ٹیلی ویژن کی ابتداء

ٹیلی ویژن کی ایجاد کا معاملہ متنازعہ ہے اور جتنا اس کی ایجاد کا معاملہ متنازعہ نہیں اس سے کہیں زیادہ خود یہ میڈیم آج متنازعہ ہے۔ اس کی ایجاد کے سلسلے میں یہ عام رائے ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد انگلینڈ، روس، جاپان اور امریکہ کے سائنس دانوں نے ریڈیائی لہروں کے استعمال سے بصری سنگل بھیجنے کی کوششیں کیں اور کسی حد تک کامیابی بھی حاصل کی۔ اسی لئے مختلف ملکوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ٹلی ویژن کی ایجاد ان کے ہی ملک میں ہوئی۔

لیکن اگر ہم ٹیلی ویژن کی ابتدائی تاریخ کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ اس سلسلے میں تحقیقات کا کام پہلی جنگ عظیم سے بہت پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ 1884 عیسوی میں جرمن سائنس داں پال نپکو (Paul Nipkow) نے باریک سوراخوں والی متحرک چکری (Disk) کا استعمال روشنی کے

سامنے کیا۔ چونکہ یہ چکری کافی تیزی سے گردش کر رہی تھی اس لئے اس کے ذریعہ گزاری گئی روشنی سے کچھ متحرک سا ہیولا بن جاتا تھا۔ نپکو کا یہ تجربہ ہی بعد کے سبھی تجربات کیلئے مشعل راہ بنا اور آج بھی ٹیلی ویژن کی بنیادی تکنیک اسی پر منحصر ہے۔

اگرچہ یہ تحقیقاتی چکری ٹیلی ویژن کے بعد کے تجربوں میں کافی معاون ثابت ہوئی لیکن ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی بنیادی تحقیق ایک دوسرے سے منسلک ہے۔ کیونکہ وہ سبھی تجربات اور تکنیک جنہوں نے ریڈیو کی نشریات کو ممکن بنایا، ٹیلی ویژن کے لئے بھی کار آمد ثابت ہوئیں۔ دوسری طرف سماجی اور معاشی اعتبار سے ریڈیو نے ٹیلی ویژن کے لئے راہ ہموار کی اور ریڈیو کے ٹرانسمیٹروں و دیگر ساز و سامان نے ٹیلی ویژن کے لئے ابتدائی طور پر کام کرنا شروع کیا۔ بلکہ ریڈیو کی نشریات کرنیوالے اداروں نے ہی ٹیلی ویژن کی نشریات بھی شروع کیں۔

1920 عیسوی کے ابتدائی مہینوں میں جنرل الیکٹرک اور دیگر کمپنیوں نے ٹیلی ویژن کے مزید تجربات کے لئے ابتدائی طور پر رقم مخصوص کی۔ جنرل الیکٹرک نے ایک سائنس داں ارنسٹ الیکزنڈرسن (Ernst Alexandorson) اس سلسلے میں مزید تحقیق کے لئے کام پر رکھا۔ اس نے بہت کم عرصے میں ہی نپکو کے چکری کی بنیاد پر ایک مشین بنائی جس کے ذریعہ تصویروں جیسا خاکہ بنایا جاسکتا تھا۔ اس کی اس مشین کو بعد میں سبھی نے قبول کیا۔ اب ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسی مشین بنائی جائے جو یہ کام تیزی سے انجام دے سکے۔

اس سلسلے میں مزید تحقیقات شروع ہوئی اور لوگ اس پر کام کرنے لگے۔ لیکن اس کی تحقیق کا سہرا ایک ایسے شخص کو جاتا ہے جو بہت کم پڑھا لکھا تھا۔ ایک غریب کسان کا بیٹا اور ہائی اسکول کا طالب علم فارنسورتھ (Philo T. Farnsworth) جسے برقی رو کے تجربات میں دلچسپی تھی۔ اس نے بچپن سے ہی اس سلسلے میں کتابیں پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ 1922 عیسوی میں اس نے اپنے سائنس ٹیچر کو حیرت زدہ کر دیا جب اس نے الیکٹرک سرکٹ کی مدد سے تصویریں ہوا میں نشر کرنے اور انہیں دوبارہ حاصل کرنے کی تکنیک بتائی اور اسے کامیابی کے ساتھ انجام دے کر دکھایا۔ اس طالب علم نے ٹیلی ویژن تجربات کے متعلق رپورٹیں پڑھی تھیں اور اسے علم تھا کہ بغیر برقی تجربات کے ٹیلی ویژن کی ایجاد کو عام نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس نے ہر آلہ کو ایک الگ سرکٹ سے جوڑ کر انکے ذریعہ متحرک

تصویروں کو نشر کرنا شروع کیا۔

اسی دوران پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک روسی سائنسداں زورکن (Vladimir K. Zworykin) ریڈیو پر مزید تحقیقات کے سلسلے میں امریکہ آیا۔ یہ شخص زار نکولس کی فوج میں مواصلات کا ماہر تھا جس نے ٹیلی ویژن کے لئے ابتدائی تحقیقات بھی کی تھیں۔ امریکہ کے ویسٹنگز ہاؤس (Westing House) کی لیبارٹری میں ضرورت کی سبھی مشینیں موجود تھیں۔ زورکن نے یہاں اپنے تجربات شروع کئے۔ لیکن دوسری طرف فارنسورتھ نے دن رات کی محنت سے مختلف ڈرائنگ اور سرکٹوں کی مدد سے ایک ایسا آلہ تیار کر لیا جس کے ذریعہ غیر متحرک تصویروں کے علاوہ فلموں کے کچھ سین بھی نشر اور موصول کئے جاسکتے تھے۔ یہ الیکٹرانک ٹیلی ویژن کا پہلا کامیاب تجربہ تھا۔ 1927 عیسوی میں فارنسورتھ نے حکومت سے اپنی اس تکنیک کو پیٹنٹ کرنے کی درخواست کی۔ اس کی اس درخواست نے کافی واویلا مچایا کیونکہ ریڈیو کی بڑی بڑی کمپنیاں اس سلسلے میں کافی خرچ کر کے تحقیقات کرا رہی تھیں اور انہیں ایک کمتر لڑکے کے ہاتھوں اپنی شکست منظور نہیں تھی۔ ان کمپنیوں نے اسکے حقوق فارنسورتھ کو دینے کی سخت مخالفت کی۔ کافی تنازعے کے بعد عدالت نے اس کے حقوق فارنسورتھ کو ہی عطا کر دیئے۔ زورکن نے بھی کافی محنت کی تھی لیکن اس کے حقوق فارنسورتھ کو مل جانے کے بعد اس نے پکچر ٹیوب اور کیمرہ ایجاد کیا جس سے بغیر ٹیلی ویژن کبھی بھی عوامی ذریعۂ مواصلات نہیں بن سکتا تھا۔

دوسری طرف برطانیہ میں ایک سائنس داں جان لوگی بائرڈ (Johan Logie Baird) نے کافی تجربات کے بعد 1926 عیسوی ہی میں میکانیکل ٹیلی ویژن کی تشکیل کی اور آج بھی دنیا میں ٹیلی ویژن کے موجد کے طور پر جان ایل بائرڈ کا ہی نام لیا جاتا ہے۔ جب کہ موجودہ حالات میں جو ٹیلی ویژن ہمارے گھروں میں ہے وہ الیکٹرانک ہے جس کی ایجاد کا سہرا فارنسورتھ کو ہی جاتا ہے۔ اس ایجاد کے بعد بھی تقریباً دس سالوں تک یہ عوام تک نہیں پہنچ سکا جس کی بنیادی وجہ اس کے بڑے بڑے آلۂ جات اور نہایت مہنگی تکنیک تھی۔

اگرچہ 7/اپریل 1927 عیسوی کو ہی امریکہ کی AT & T (American Tele-phone & Telegraph) کمپنی نے لمبی دوری کا پہلا ٹیلی ویژن پروگرام نشر کیا۔ لیکن سب سے

پہلا باقاعدہ ٹیلی ویژن پروگرام 1936 عیسوی میں بی بی سی لندن سے نشر ہوا۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے دوبارہ اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہو گئیں۔ 1947 عیسوی میں امریکہ میں سات انچ کے اسکرین کے ٹیلی ویژن کی قیمت تقریباً چار سو ڈالر تھی جو اس وقت کے اعتبار سے کافی مہنگا تھا۔ انہیں وجوہات کی بناء پر 1950 عیسوی تک دنیا کے صرف پانچ ملکوں تک ہی ٹیلی ویژن کی وسعت ہو پائی تھی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد اس کی ترقی میں نمایاں کامیابی ملی اور 1953 عیسوی تک دنیا کے 17 ممالک کے پاس ٹیلی ویژن موجود تھا جو 1960 عیسوی میں بڑھ کر 63 ممالک تک پھیل گیا۔ ہندوستان میں اس کی ابتداء 15 ر ستمبر 1959 عیسوی کو ایک تجرباتی پروگرام کے ذریعہ کی گئی۔

ادھر امریکہ میں کیبل ٹیلی ویژن کی شروعات بھی اسی زمانہ میں ہو چکی تھی۔ اس کی ابتداء بھی بڑے دلچسپ ڈھنگ سے ہوئی۔ امریکہ کی ایک آبادی چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے ٹیلی ویژن کے سگنل لوگوں کے گھروں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس پریشانی کو حل کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے مقامی ٹرانسمیٹر لگائے گئے۔ جو آپس میں تاروں کے ذریعہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ اب پروگرام کو ان تاروں کے ذریعہ لوگوں کے گھروں تک پہنچایا گیا جس سے تصویریں بہت صاف اور واضح دکھائی دینے لگیں۔ اس کی کامیابی نے بہت جلد اس کو مقبول کر دیا اور دور دراز علاقوں میں اس کے استعمال سے ٹیلی ویژن کی نشریات شروع ہوئیں اور یہ سلسلہ دوسرے ملکوں تک پھیلا۔ یہ سلسلہ آج بھی مزید بہتر شکل میں ہمارے گھروں میں کیبل ٹیلی ویژن کی شکل میں موجود ہے۔

سیٹیلائٹ ٹیلی ویژن کی شروعات بھی امریکہ سے ہی ہوئی جب 10 ر جولائی 1962 عیسوی کو امریکہ کے فضائی ادارے NASA نے امریکی سیارچے TELSTAR-1 کے ذریعہ ٹیلی ویژن کا پروگرام امریکہ سے یورپ کے ممالک میں نشر کیا۔ سیٹیلائٹ ٹیلی ویژن کی یہ کامیاب شروعات تھی۔

ٹیلی ویژن کی تکنیک اتنی ترقی کر چکی ہے کہ آج Digital Transmission اور Di-rect to Home کی بات عام ہو چلی ہے۔ ابھی حال کے دنوں میں ٹیلی ویژن کی دو نئی تکنیک سامنے آئی ہے۔ پلازمہ (Plasma) اور ڈیجیٹل (Digital) تکنیک پر مبنی ٹیلی ویژن سیٹ نہایت پتلے اور

ہلکے ہیں۔

پلازمہ تکنیک مقیری شعاع نلی (Cathode Ray Tube) کی جگہ پر سیال شے موجود ہے جو برقی رو کو تصویروں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے تصویریں اسکرین پر نہایت صاف اور بہت عمدہ دکھائی دیتی ہیں۔

ڈیجیٹل تکنیک میں اگرچہ مقیری شعاع نلی (Cathode Ray Tube) کا ہی استعمال ہوتا ہے لیکن High Resolution کی وجہ سے لفظوں (Pixel) کی تعداد ایک اکائی میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے تصویریں بالکل صاف اور واضح دکھائی دیتی ہیں۔ ان کی وجہ سے ایسے ٹیلی ویژن نہ صرف چھوٹے اور پتلے ہوتے ہیں بلکہ ایک تصویری فریم کی مانند ہوتے ہیں جنہیں کسی بھی جگہ دیوار پر نصب کیا جا سکتا ہے۔ ایسے ٹیلی ویژن سیٹ کے لئے نہ تو کوئی ٹیبل درکار ہے اور نہ ہی یہ زیادہ جگہ ہی گھیرتا ہے۔ لیکن ان کی قیمتیں عام ٹیلی ویژن سیٹ سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہیں۔

ان قیمتی ٹیلی ویژن سیٹوں کے ساتھ ہی مختلف قسموں کی فلیٹ اسکرین ٹی وی بھی بازار میں قدرے کم قیمت پر صارفین کے لئے دستیاب ہے۔ تکنیکی اعتبار سے ان ٹیلی ویژن سیٹوں میں بھی مقیری شعاع نلی کا ہی استعمال ہوا ہے البتہ اسکرین کو بیضوی شکل نہ دے کر سپاٹ اور مسطح بنایا گیا ہے۔

تحقیقی اداروں کی خبروں کے مطابق ٹیلی ویژن کے عالمی بازار میں ہر سال تقریباً سو فی صدی کی رفتار سے بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ ابھی حال کے دنوں میں کرکٹ کے ورلڈ کپ ٹورنامنٹ کے دوران ٹیلی ویژن کی فروخت میں بے شمار اضافہ ہوا ہے۔

ہندوستان میں ٹیلی ویژن کی ابتداء و ارتقاء

یوں تو ریڈیو کی شروعات ہندوستان میں امریکہ، انگلینڈ اور دیگر یوروپی ممالک کے ساتھ ساتھ ہی ہوئی تھی لیکن ٹیلی ویژن کے ساتھ معاملہ دیگر ہوا۔ BBC کے ذریعہ ٹیلی ویژن کی عوامی نشریات کی ابتداء 1936 عیسوی میں ہی ہو چکی تھی لیکن ہندوستان میں 15 ر ستمبر 1959 عیسوی

سے قبل اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

15/ ستمبر 1959 عیسوی کو آکاشوانی بھون، دلی کی عمارت سے ٹیلی ویژن کی پہلی تجرباتی نشریات شروع ہوئیں۔ جس کا افتتاح صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کیا۔ ابتدائی دور میں اس سے منگل اور جمعہ کے دن ایک گھنٹہ کا پروگرام ہی ٹیلی کاسٹ ہوا کرتا تھا۔ ایک گھنٹہ کے وقفے میں 40 منٹ کا وقت سماجی و تعلیمی قسم کے پروگراموں کو اور بقیہ کا 20 منٹ فلموں پر مبنی تفریحی پروگراموں کو دیا جاتا تھا۔ 500 واٹ قوت کے ٹرانسمیٹر کے ذریعہ 20 سے 25 کلو میٹر کے رقبے میں ہی ٹیلی ویژن کی یہ نشریات دیکھی جاسکتی تھیں۔ کم قوت ٹرانسمیٹر اور غیر تربیت یافتہ تکنیکی اسٹاف کے باوجود 1960 عیسوی کی یوم جمہوریہ اور یوم آزادی کی تقاریب کو Live ٹیلی کاسٹ کیا گیا۔

ہندوستان میں ٹیلی ویژن کی دیر سے آمد کی ایک اہم وجہ حکومت کی بے توجہی رہی۔ حکومت کے خیال میں ٹیلی ویژن صرف ایک علامت رتبہ (Status Symbol) تھا جس کا استعمال ہندوستان جیسے ملک میں غیر ضروری تھا اور ملک کی غریب آبادی کے لئے ضرورت کی دوسری چیزیں زیادہ اہم تھیں بہ نسبت تفریح کے اس آلہ کے جسے ٹیلی ویژن کہا جاتا تھا۔

لیکن حکومت کے اس رویے میں تبدیلی تب آئی جب 1956 عیسوی میں یونیسکو (UN-ESCO) کی ایک کانفرنس میں یہ فیصلہ لیا گیا کہ عالمی برادری ہندوستان میں ٹیلی ویژن کی ابتداء کے لئے بیس ہزار ڈالر کی امداد کرے گی جس سے یہاں ٹیلی ویژن کے ذریعہ عوامی تعلیم، گاؤں کی ترقی اور سماج سدھار پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ اس سلسلے میں امریکہ نے ضروری ساز وسامان اور الیکٹرانک کی کمپنی فلپس (Philips) نے ٹرانسمیٹر مہیا کرائے۔ اس طرح ہندوستان میں ٹیلی ویژن کے داخلے کی راہ ہموار ہوئی۔

شروع میں کسی فرد منفرد کے پاس ٹیلی ویژن سیٹ نہیں تھا اس لئے ابتدائی دنوں میں دلی میں 21/ جمیعتی مراکز (Community Center) قائم کئے گئے جہاں ٹیلی ویژن کا ایک سیٹ ہوا کرتا تھا۔ یہاں روزانہ لوگ آتے اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ بعد میں اسی قسم کے مزید 45/ مراکز قائم کئے گئے ساتھ ہی 'ٹیلی کلب' کا قیام بھی عمل میں آیا۔ ان کلبوں میں 20 تا 25 ممبر ہوا کرتے تھے جو ٹیلی ویژن کے پروگراموں سے متعلق تبصرے

اور مشورے روزانہ ٹی دی مرکز کو بھیجا کرتے تھے۔ پھر نشریات کا وقفے بڑھا کر ڈیڑھ گھنٹے کر دیا گیا اور رقص و موسیقی کے علاوہ ڈراموں کو بھی اس میں شامل کیا گیا۔

اکتوبر 1961 عیسوی میں حکومت نے امریکہ کے فورڈ فاؤنڈیشن کے اشتراک سے ٹیلی ویژن پر تعلیمی پروگراموں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اس کے تحت ہر صبح سبق آموز پروگرام ٹیلی کاسٹ ہوتے تھے۔ جنہیں دوپہر میں دوبارہ نشر کیا جاتا تھا۔ اس کے تحت علم کیمیا، علم طبیعات، ہندی، انگریزی، جغرافیہ اور سماجیات کے مضامین پر مبنی پروگرام نشر ہوتے تھے۔ اس اسکیم کے تحت دلی کے 250/ اسکولوں میں ٹیلی ویژن سیٹ لگائے گئے جس کا نتیجہ کافی امید افزا رہا۔

اب تک جو ہفتے میں صرف دو روز ہی پروگراموں کی نشریات ہوا کرتی تھیں اسے بڑھا کر یکم اپریل 1965 عیسوی سے ہفتہ میں چار دن کر دیا گیا اور اسی سال ۱۵ اگست سے روزانہ ایک گھنٹے کی نشریات کا آغاز ہوا۔ 1966 عیسوی میں چندا کمیٹی نے ٹیلی ویژن کیلئے ایک خود مختار ادارہ بنانے کی سفارش کی تاکہ اس کی ترقی میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ لیکن اس وقت کی حکومت نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔

1970 عیسوی کی ابتداء سے ہی ٹیلی ویژن کی ترقی کے لئے راہیں ہموار ہونے لگیں۔ پروگرام اور انجینئرنگ کے عملے کی مزید ٹریننگ کے لئے دلی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ اسی سال ٹیلی ویژن سیٹوں کی تعداد جو سال کے ابتدائی مہینوں میں صرف 22000 تھی سال کے اختتام تک ایک لاکھ کے عدد کو پار کر چکی تھی۔ 1972 عیسوی میں دلی مرکز سے ہر ہفتہ 371/2 گھنٹے کا پروگرام نشر ہونے لگا۔ اس وقفے میں 25 گھنٹے کے عمومی اور تفریحی پروگرام تو شام میں ٹیلی کاسٹ ہوا کرتے جبکہ 121/2 گھنٹے کے تعلیمی پروگراموں کو صبح کے اوقات میں ہائی اسکولوں کے لئے نشر کیا جاتا تھا۔ 1974 عیسوی میں تعلیمی پروگراموں کا یہ نشریہ مڈل اسکولوں کے بچوں کے لئے بھی شروع کیا گیا جسے مارچ 1975 عیسوی میں بڑھا کر پرائمری اسکولوں تک کر دیا گیا۔

2/ اکتوبر 1972 عیسوی سے بمبئی سے سوا دو گھنٹے روزانہ کی ٹیلی ویژن نشریات کی ابتداء ہوئی۔ جسے کچھ ہی دنوں بعد بڑھا کر 4 گھنٹے روزانہ کا کر دیا گیا۔

بمبئی کے بعد 26/ اکتوبر 1973 عیسوی کو سری نگر سے ایک گھنٹے کی نشریات شروع کی

گئیں۔ جسے ہر دورے دن نشر کیا جاتا تھا۔ لیکن 8/ جولائی 1974 عیسوی سے اسے روزانہ دو گھنٹے کا کر دیا گیا۔ پھر 13/ جولائی کو اس کے اوقات میں اضافہ کر کے اسے 4/ گھنٹے کا کر دیا گیا۔ ساتھ ہی ایک خاص نشریات دو گھنٹے کی مزید شروع کی گئیں۔ سری نگر مرکز کی اس تیز رفتار تبدیلی کی خاص وجہ پاکستان ٹیلی ویژن کے ذریعہ کئے جارہے پروپگنڈا کا جواب دینا اور عوام کو ہندوستان کے پروگراموں اور منصوبوں سے آگاہ کرنا تھا۔

دلی، بمبئی اور سری نگر کے بعد چوتھا ٹیلی ویژن مرکز امرتسر میں 29/ ستمبر 1973 عیسوی کو قائم کیا گیا۔ یہاں سے روزانہ تین گھنٹے کی نشریات پنجابی کے علاوہ ہندی، اردو اور انگریزی میں شروع کی گئیں۔ 70 کلو میٹر کے رقبے میں اس کی نشریات کو آسانی سے دیکھا جاسکتا تھا۔ اس طرح اس علاقے کے لوگ لاہور سے نشر ہونے والے پروگراموں سے ہٹ کر امرتسر سے نشر ہورہے پروگراموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ امرتسر مرکز کے پروگرام پاکستان کے کچھ علاقوں میں بھی بخوبی دیکھے جاسکتے تھے۔ 15/ اگست 1974 عیسوی سے 5 منٹ کا پنجابی خبروں کا ایک بلیٹن بھی امرتسر سے نشر ہونا شروع ہوا۔

پانچویں مرکز کے طور پر 8/ اگست 1975 عیسوی کو کلکتہ سے نشریات کا آغاز ہوا۔ بنگالی، انگریزی اور ہندی زبانوں میں روزانہ تین گھنٹے کے پروگرام نشر ہونے شروع ہوئے۔ اس کے ایک ہفتہ بعد 15/ اگست 1975 عیسوی کو مدراس سے ٹیلی ویژن کی نشریات کا آغاز ہا۔ تمل اور انگریزی میں روزانہ دو گھنٹے کی ابتدائی نشریات شروع کی گئیں۔

27/ نومبر 1975 عیسوی کو ہندوستان کے ساتویں ٹیلی ویژن مرکز کی افتتاح لکھنؤ میں ہوئی۔ یہاں سے بھی دو گھنٹے کی ابتدائی نشریات کا سلسلہ شروع ہوا۔

یکم اپریل 1976 عیسوی کو وزیر اعظم اندرا گاندھی کی قوم کے نام نشریات کے ساتھ ہی ٹیلی ویژن اور ریڈیو کو الگ کر کے دو منفرد اداروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اسی سال امریکہ کے فضائی ادارے NASA(National Aeronautical and Space Administration) کی مدد سے ہندوستان کے چھ صوبوں راجستھان، بہار، اڑیسہ، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش اور کرناٹک کے تقریباً 2400 گاؤں کے لئے امریکہ کے مصنوعی سیارچے ATS-6(-Applica

tion Technology Satellite)کے ذریعہ تعلیم اور کھیتی کے متعلق پروگراموں کا تجرباتی نشریہ شروع کیا گیا۔SITE(-Satellite Instructional Television Experiment) کے نام سے نشریات ہندی، اڑیا اور کنڑ زبانوں میں شروع ہوئیں۔ یہ سلسلہ بہت جلد مقبول ہو گیا۔ لیکن NASA کے اپنے سیارچے کے ایک سال کے معاہدہ کی تجدید نہ کرنے کی وجہ سے اس سلسلے کو 31/ جولائی 1976 عیسوی کو بند کر دیا گیا لیکن یہی آغاز ہندوستان کے فضائی پروگراموں کا تھا اور ہندوستان نے اپنے سیارچے کے سلسلے میں بھی کوششیں شروع کیں۔

ISRO (Indian Space Research Organization) نے 10/ اپریل 1982 عیسوی کو امریکہ کے شہر کیپ کینیڈی سے پہلا مصنوعی سیارچہ INSAT-IA(Indian Satellite) کو باضابطہ فضا میں بھیجا۔ لیکن توقعات کے بر خلاف یہ سیارچہ بہت جلد ختم ہو گیا اور اس سے متعلق ساری تجویزیں نامکمل رہ گئیں۔ لیکن جلد ہی 30/ اگست 1983 عیسوی کو دوسرا سیارچہ INSAT-IB کو فضا میں بھیجا گیا جو کامیاب رہا۔ بعد میں ہندوستان نے مزید کئی سیارچے فضا میں بھیجے جو اب تک کامیابی سے اپنے کام انجام دے رہے ہیں۔

یکم جنوری 1976 عیسوی سے ہندوستانی ٹیلی ویژن کو "دور درشن" کا نام دیا گیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنی پہلی کمرشیل سروس شروع کی اور ٹیلی ویژن پر اشتہاروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ 77-1976 عیسوی میں اس کی اشتہاروں س کل آمد صرف 77 لاکھ روپے تھی جو 86-1985 میں بڑھ کر 5,500 لاکھ ہوئی اور 97-1996 میں 57,270 لاکھ روپے ہو گئی۔ لیکن حالیہ شائع رپورٹ کے مطابق 98-1997 میں اسے کافی نقصان اٹھانا پڑا اور اشتہاروں سے کل آمد 43,900 لاکھ روپے ہی رہ گئی جو 99-1998 میں دوبارہ بڑھ کر 47,200 لاکھ ہو گئی ہے۔

82-1981 میں سب سے دلچسپ ترقی یہ ہوئی کہ دور درشن نے مشہور فلم سازوں ستیہ جیت رائے، امیا گپتا، بدھ دیو داس گپتا اور اوما شنکر کو ٹیلی ویژن کے لئے فلمیں اور سیریل بنانے کا کام سپرد کیا۔ 1983 عیسوی میں دور درشن پر دکھائی جانے والی ہندی فلموں کو ہفتہ میں ایک بار سے بڑھا کر دوبار کر دیا گیا۔ سنیچر کو علاقائی زبانوں کی فلمیں پہلے سے ہی دکھائی جا رہی تھیں۔ "چترہار" جیسے فلمی گیتوں کے پروگرام کو بھی ایک ہفتہ میں تین دن دکھایا جانے لگا۔

15/ اگست 1982 عیسوی کو ایک اہم تبدیلی ہوئی۔ وزیر اعظم اندرا گاندھی کی لال قلعہ سے ہونے والی تقریر اور پرچم کشائی کو رنگین ٹیلی ویژن کیمروں کے ذریعہ دکھایا گیا اور ہندوستانی ٹیلی ویژن بلیک اینڈ وہائٹ سے رنگین ہو گیا۔ اس طرح رنگین ٹیلی ویژن کا آغاز ہوا اور آہستہ آہستہ سارے مراکز بھی رنگین پروگراموں پر منتقل ہونے لگے اسی روز "نیشنل پروگرام" کی نشریات بھی شروع ہوئیں جس کے تحت ہندی اور انگریزی خبروں کے علاوہ حالات حاضرہ پر تبصرے نشر ہونے شروع ہوئے۔ ڈیڑھ گھنٹے کے اس پروگرام کو دوردرشن کے سبھی مراکز نشر کیا کرتے تھے۔

19/ نومبر 1982 عیسوی کو دوردرشن کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا جب دلی سے نویں ایشیائی کھیلوں کا سیدھا نشریہ (Live Telecast) ہندوستان کے علاوہ دنیا کے دیگر ملکوں میں بھی دیکھا گیا۔

دوردرشن کے چند سیریلوں اور پروگراموں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ "اے گفٹ آف لو" (A Gift of Love) کو کئی غیر ملکی انعامات بھی ملے۔ اسی دوران 15/ جولائی 1984 عیسوی کو پہلا عوامی سیریئل "ہم لوگ" کے عنوان سے شروع ہوا جس کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دوردرشن پر عرصۂ دراز تک نشر ہونے کے بعد آج کے موجودہ دور میں یہ سیریل دوبارہ سونی ٹیلی ویژن پر نشر ہو رہا ہے اور آج بھی مقبول ہے۔ دوردرشن پر کئی ایسے سریل نشر ہوئے جنھوں نے نہ صرف تاریخ بنائی بلکہ آج بھی عوام کے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ ان میں "بنیاد، راگ درباری، رامائن، مہابھارت" اور "اے سوورڈ آف ٹیپو سلطان" کے نام قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان میں ٹیلی ویژن کی سلور جوبلی، تقاریب کے موقع پر 19/ ستمبر 1984 عیسوی کو دلی سے دوردرشن کے دوسرے چینل کا آغاز ہوا جو آج DD-2 یا میٹرو چینل کے نام سے مشہور ہے۔ ابتدائی دور میں اس نئے چینل کا مقصد بڑے شہروں میں ناظرین کو دلچسپ اور معلوماتی پروگرام بہم پہنچانا تھا۔ دلی کی ابتداء کے بعد اس چینل کی نشریات 1985 عیسوی میں بمبئی اور 1988 عیسوی میں کلکتہ اور مدراس سے بھی شروع ہوئیں۔ پھر اس چینل کو مصنوعی سیارچے کے ذریعہ ملک کے دیگر شہروں تک پہنچایا گیا۔ موجودہ حالات میں یہ چینل بھی دوردرشن کے نیشنل چینل کی طرح ملک کے بیشتر حصوں میں دستیاب ہے۔

9/ اگست 1986 عیسوی سے دور درشن کا پہلا علاقائی نیٹ ورک مہاراشٹر سے شروع کیا گیا۔ اس کے تحت علاقائی خبروں کے علاوہ مقامی زبان کے پروگراموں کو بھی نشر کیا جانے لگا۔ 3/ دسمبر 1991 عیسوی کو دور درشن کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ اس نے جب پارلیامنٹ کے سیشن کی ریکارڈ کی ہوئی تصویریں نشر کیں۔ اس کے بعد بحث اور دیگر سیشن کو پارلیامنٹ سے سیدھے ٹیلی کاسٹ کر کے عوام تک پہنچایا۔

15/ اگست 1993 عیسوی کو دور درشن کے پانچ نئے سٹیلائٹ چینل کی ابتداء ہوئی اور میٹرو چینل کی وسعت میں بھی اضافہ ہوا۔ اگلے سال 1994 عیسوی میں دس مقامی زبانوں کے چینل کے شروعات ہوئیں اور اب دور درشن کے پاس مختلف صوبوں کے لئے ان کی مقامی زبانوں میں پروگراموں کی نشریات کیلئے مخصوص چینل موجود تھے۔

14/ مارچ 995 عیسوی کو دور درشن نے "دور درشن۔ انڈیا" کے نام سے ایک بین الاقوامی چینل کی نشریات شروع کیں۔ آج اس چینل کی نشریات دنیا کی تقریباً نصف آبادی تک پہنچ رہی ہیں۔ دور درشن نے "مووی کلب" کے نام سے ایک فلمی چینل کی نشریات بھی شروع کی تھیں۔ اس پر ہر وقت فلمیں دکھائی جاتی تھیں۔ لیکن اس چینل کو کچھ دنوں کے بعد بند کر دیا گیا۔

14/ نومبر 1995 عیسوی کو پنڈت جواہر لعل نہرو کی سالگرہ کے موقع پر DD-3 کے نام سے ایک نئے چینل کی نشریات شروع ہوئیں۔ اس چینل کا مقصد سنجیدہ موضوعات جیسے تھیٹر، ادب، فنون لطیفہ، موسیقی وغیرہ پر مبنی پروگراموں کو نشر کرنا تھا۔ بعد میں اس پر فلمیں بھی نشر ہونے لگیں۔ 1996 عیسوی میں اس چینل میں اضافہ کر کے "مووی کلب" اور "اسپورٹس سروس" کے عنوان سے دو نئے حلقے قائم کئے گئے تھے لیکن یہ چینل اپریل 1997 عیسوی میں بند کر دیا گیا۔

اپریل 1999 عیسوی کو دور درشن نے کھیلوں پر مبنی ایک خصوصی چینل "دور درشن اسپورٹس" کی نشریات شروع کیں۔ اس چینل کا مقصد علاقائی اور قومی کھیلوں کے علاوہ بین الاقوامی کھیلوں کے سیدھے نشریہ کو عوام تک پہنچانا ہے۔ 15 اگست 1999 عیسوی سے 24 گھنٹے خصوصی نیوز چینل (دور درشن نیوز) کی نشریات بھی شروع ہو چکی ہیں۔

1991 عیسوی کی جنگ خلیج کے بعد ہندوستان میں سٹیلائٹ چینلوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ امریکہ کے نیوز چینل کیبل نیوز نیٹ ورک (CNN) پر جنگ کی تصویروں کو دیکھ کر ہندوستانیوں کو بھی کیبل ٹیلی ویژن کی اہمیت کا اندازہ ہوا فروری 1992 عیسوی میں روپرٹ مردوک نے "اسٹار پلس" کے نام سے ایک سٹیلائٹ چینل کی نشریات شروع کیں۔ انگریزی میں نشر ہونے والے اس کے پروگراموں کا دائرہ بڑے شہروں کے انگریزی داں طبقے تک محدود تھا۔

اکتوبر 1992 عیسوی میں "زی ٹی وی" کے نام سے دوسرے سٹیلائٹ چینل کی نشریات شروع ہوئیں۔ یہ ہندی کا پہلا سٹیلائٹ چینل تھا۔ اب لوگوں کو دور درشن کے مقابلے ایک نئے ہندی چینل کی نشریات دیکھنے کو ملیں۔ جہاں دور درشن کی نشریات صرف شام کے چار گھنٹے ہی ہوا کرتی تھیں وہیں زی ٹی وی نے چوبیس گھنٹے تفریحی پروگراموں کو نشر کر کے جلد ہی ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

زی ٹی وی کی بڑھتی مقبولیت کے پیش نظر یکم اپریل 1993 عیسوی کو دور درشن نے "میٹرو انٹرٹینمنٹ چینل" کے نام سے ایک نئے چینل کی نشریات شروع کیں۔ ہندی کے تفریحی اور معلوماتی پروگراموں کے اس چینل نے زی ٹی وی کو سخت مقابلے کے لئے مجبور کر دیا۔ اسی دوران ہندی نشریات کی بڑھتی مقبولیت کے پیش نظر روپرٹ مردوک نے دور درشن کے سابق ڈائرکٹر جنرل رتھی کانت باسو کو اسٹار ٹیلی ویژن کا ہندوستان میں نیا سربراہ مقرر کیا۔ باسو نے ہی دور درشن کے میٹرو چینل کو کامیابی سے ہمکنار کیا تھا۔ انہوں نے اسٹار پلس پر ہندی پروگراموں کی نشریات بھی شروع کی۔ پہلے تو انگریزی کے پروگراموں کو ہی ہندی میں ڈب کر کے دکھایا جاتا رہا۔ لیکن بعد میں ہندی میں بنے پروگراموں کی نشریات شروع ہوئی۔ بعد میں اسٹار ٹیلی ویژن نیٹ ورک قائم ہوا اور "اسٹار موویز" اور "پرائم اسپورٹس" کے چینلوں کی نشریات شروع ہوئیں۔

اسی دوران "اے ٹی این" اور "ایم ٹی وی" جیسے میوزک چینلوں کی ابتداء ہوئی۔ ان چینلوں پر ہر وقت فلمی و غیر فلمی گیتوں کی نشریات ہوا کرتی تھیں۔

1994 عیسوی میں جاپان کی الیکٹرانک کمپنی سونی نے بھی اس میدان میں قدم رکھا اور "سونی انٹرٹینمنٹ ٹیلی ویژن" کے نام سے ایک نئے ہندی چینل کے نشریات شروع ہوئیں۔ اس چینل نے

شروع میں ہندی فلموں کو ہی نشر کرنا شروع کیا اور تفریح کے نام پر نئی و پرانی فلموں کو دکھا کر جلد ہی ناظرین کی ایک بڑی تعداد اکٹھا کر لی۔

اکتوبر 1995 عیسوی میں ESPN (-Entertainment and Sports Pro motion Network) کے نام سے کھیلوں پر مبنی چوبیس گھنٹے کے پہلے خصوصی چینل کی نشریات شروع ہوئی۔ اس چینل نے ابتدائی دنوں میں ہندوستانی کھیلوں مثلاً کبڈی وغیرہ کو ہندی تبصروں کے ساتھ نشر کر کے جلد ہی مقبولیت حاصل کر لی۔ اسی سال کئی نئے چینلوں کی بھی ابتداء ہوئی جن میں ڈسکوری، بزنس انڈیا ٹیلی ویژن، زی سنیما اور مووی کلب وغیرہ اہم ہیں۔

نئے چینلوں کی نشریات کا یہ سلسلہ بدستور جاری ہے اور 1999 عیسوی کے نصف تک ہمارے ٹیلی ویژن پر کم و بیش پچاس چینلوں کی نشریات موجود ہیں۔ جن میں ہر طبقے کے ناظرین کے لئے خصوصی چینل ضرور موجود ہے۔ فیشن کی دنیا میں ہو رہی تبدیلیوں کو "فیشن ٹی وی" کے ذریعہ پیش کیا جا رہا ہے تو عریانیت اور ننگے پن کی مثالیں روسی چینل "ٹی وی سکس" پر دیکھنے کو ملتی ہیں۔ میوزک کے کئی چینلوں کی موجودگی کے باوجود "میوزک ایشیا" اور "وٹس میوزک" جیسے دو نئے چینل کی نشریات بھی شروع ہو چکی ہیں۔ "ایگل ٹی وی" کے نام سے مصری زبان کا یہ چینل خبروں اور حالات حاضرہ کے پروگراموں کے علاوہ مصری فلمیں بھی دکھایا کرتا ہے۔ "ہال مارک" اور "کرمیٹ" چینل ہالی ووڈ کی فلموں کے علاوہ بچوں کے لئے کارٹون پروگرام بھی نشر کرتا ہے۔ "بی بی سی" نے خبروں کے بلیٹن کے علاوہ اب ہندوستانی فلموں کی تفصیلات اور کاروبار سے متعلق پروگرام بھی نشر کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ وہیں "سی این بی سی" سارے دن کاروبار سے متعلق پروگرام اور خبریں ہی نشر کرتا ہے۔

آج چینلوں کی اس دوڑ میں تقریباً ہر ماہ ایک دو نئے چینلوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ کارٹون فلموں سے لیکر اسپورٹس تک مختلف موضوعات پر خصوصی چینل موجود ہیں۔ بہت جلد "ٹی سی سی" کے نام سے ایک کامیڈی چینل کی نشریات شروع ہونے والی ہیں۔ اس چینل پر کامیڈی فلموں کے علاوہ، کامیڈی سریل اور کارٹون فلمیں بھی دکھائی جائیں گی۔ نکلوڈین (NIKELODEAN) چینل کی بھی نشریات شروع ہونے والی ہیں جن پر بچوں کے لئے مخصوص پروگرام نشر کئے جائیں گے۔ واضح

رہے کہ اس چینل کی نشریات ابھی سو (۱۰۰) سے بھی زائد ملکوں میں دیکھی جارہی ہیں۔ امریکہ، انگلینڈ، آسٹریلیا اور لاطینی امریکہ کے ملکوں میں اس کی نشریات کافی مقبول ہیں۔ "پنجابی ورلڈ" جیسے پنجابی چینل کے بند ہونے کے بعد "لشکر" کے نام سے دوسرے پنجابی چینل کی نشریات شروع ہو چکی ہیں۔ اردو زبان کے مخصوص چینل "فلک" کی نشریات کا بھی لوگوں کو بے چینی سے انتظار ہے۔

گویا اس طرح ہندوستانی ٹیلی ویژن پر چینلوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ ماہرین کی رائے ہے کہ نئی صدی کی شروعات تک ہمارے ٹیلی ویژن پر چینلوں کی کل تعداد سو تک پہنچ جائے گی۔

پرسار بھارتی

1977 عیسوی میں جنتا پارتی نے اپنے الیکشن منشور (Manifesto) میں یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر ان کی حکومت بنی تو آکا شوانی اور دور درشن کو مستند خود مختاری (Genuine Autonomy) دی جائے گی۔ انتخابات کے بعد میں جب جنتا پارٹی کی حکومت بنی تو اس نے 12 رافراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جسکے صدر "ہندوستان ٹائمز" دہلی کے مدیر اور نامور صحافی بی جی ورگیز (B.G. Verghese) تھے اس کمیٹی کی تقرری کا مقصد حالات کا جائزہ لے کر الیکشن منشور کے تحت دونوں اداروں یعنی آل انڈیا ریڈیو اور دور درشن کو مناسب خود مختاری دینا تھا۔ 24 رفروری 1987 عیسوی کو اس کمیٹی نے وزیر اطلاعات و نشریات لال کرشن آڈوانی کو اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ اس کی تجویزوں میں ایک قومی براڈ کاسٹ ٹرسٹ قائم کرنا تھا جس میں 12 تا 21 ممبران شامل ہوں۔ لیکن ان میں صرف تین ہی مستقل ممبران ہوتے جو روزمرہ کی نشریات کے مختلف شعبوں کی دیکھ بھال کرتے۔ اس ٹرسٹ کا نام "آکاش بھارتی" رکھنے کی بھی صلاح دی گئی تھی۔ کانگریس نے اس طرح کے ٹرسٹ کے مخالفت کی اور پارلیامنٹ میں 1979 عیسوی میں تجویز پیش ہونے سے قبل ہی اس میں کافی ترمیمات کی گئیں۔ لیکن پھر جنتا پارٹی حکومت کے گر جانے کی وجہ سے یہ معاملہ التوا میں

پڑ گیا۔

1990 عیسوی میں وشوناتھ پرتاپ سنگھ حکومت کے وزیر اطلاعات ونشریات مسٹر پی۔ اپندر نے اسے دوبارہ پارلیامنٹ کے سامنے پیش کیا۔ کانگریس کی مخالفت کے بعد چند ضروری ترمیموں کے ساتھ اس بل کو پارلیامنٹ نے اپنی منظوری دے دی۔

کانگریس کے ذریعہ کرائی گئی ترمیمات میں سے اہم ترمیم 22 ممبران پارلیامنٹ (15 لوک سبھا اور 7 راجیہ سبھا) پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جانی تھی جو پرسار بھارتی کے کام کاج پر نظر رکھتی۔ لیکن پرسار بھارتی بورڈ کے باقاعدہ اعلان سے قبل ہی وشوناتھ پرتاپ سنگھ کی حکومت گر گئی اور یہ معاملہ دوبارہ سے اٹک گیا۔

لیکن 7 سال کے بعد اسے دوبارہ 1997 عیسوی میں یاد کیا گیا اور اندر کمار گجرال حکومت کے وزیر اطلاعات ونشریات جے پال ریڈی کی ذاتی دلچسپی کے باعث پرسار بھارتی ایکٹ کو 15 ستمبر 1997 عیسوی کو نافذ کر دیا گیا۔ اس کے تحت آکاشوانی اور دوردرشن اب سرکار کے کنٹرول سے باہر آ گئے اور یہ خود مختار ادارے پرسار بھارتی بورڈ کے تحت کام کرنے لگے۔

مشہور صحافی بنکھل چکرورتی کو پرسار بھارتی بورڈ کا پہلا چیرمین اور سریندر سنگھ گل کو اس کا نیا سکریٹری اور چیف ایگزیکٹیو افسر (CEO) نامزد کیا گیا۔ بورڈ کے دیگر ممبروں کی نامزدگی بھی عمل میں آئی۔ لیکن اس کی ابتداء سے ہی تنازعہ کھڑا ہو گیا۔

اکتوبر 1998 عیسوی میں جے پی حکومت نے ایک قرارداد منظور کر کے سریندر سنگھ گل کو ان کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ اب جبکہ چیرمین بنکھل چکرورتی کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ حکومت کو پرسار بھارتی بورڈ کے لئے نئے چیرمین اور سکریٹری کی تلاش ہے اور تاخیر کی وجہ سے یہ معاملہ بھی تنازعے میں گھرتا جا رہا ہے۔ پرسار بھارتی پر سب سے زیادہ اعتراض اس لئے کیا جا رہا ہے کہ جب ورگیز کمیٹی نے 1978 عیسوی میں تجویزیں پیش کی تھیں تو اسوقت ہندوستان میں ٹیلی ویژن کے نام پر صرف دوردرشن ہوا کرتا تھا۔ لیکن جب 1997 عیسوی میں اس سے متعلق قرارداد کو نافذ کیا گیا تب تک ٹیلی ویژن کی دنیا میں ایک انقلاب آ چکا تھا۔ تقریباً 50 سے زائد چینل دن رات اپنے پروگرام نشر کر رہے تھے اور لگاتار سٹیلائٹ چینلوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔

رابرٹ مردوک (Rupert Murdoch) جیسے میڈیا مختار (Media Baron) نے ہندوستان میں تجارت کے نئے مواقع کے تحت STAR (Satellite Television Asian Region) چینل کو فروغ دیا۔ کروڑوں ڈالر خرچ کر کے STAR کے کئی چینل دن رات پروگرام نشر کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ZEETV اور SONY TV بھی کافی اہم ہیں۔ آج دوردرشن کے پاس ایک ہزار سے زائد ٹرانسمیٹروں اور ملک کی 90 فی صد آبادی تک پہنچ ہونے کے باوجود اس کی ترقی کی رفتار دھیمی ہے۔

آج جب کہ ملک میں سٹیلائٹ چینلوں کا سیلاب سا آیا ہوا ہے دیکھنا یہ ہے کہ دوردرشن کو کس حد تک خود مختاری کا فائدہ پہنچتا ہے۔

براڈکاسٹ بل

2/ فروری 1995 عیسوی کو سپریم کورٹ کے ایک تاریخی فیصلہ میں کہا گیا:

"Airwaves of frequencies are public property. They have to be controlled and regulated by a public authority in the interest of the public and prevent the invasion of their rights".*

* Cable Quest, March- 1997- Pg-16 "Proposed Broadcast Bill"

اس فیصلے کے بعد حکومت ہند نے براڈکاسٹنگ کے لئے نئے اصول و ضوابط وضع کرنے شروع کئے۔ غیر ملکی میڈیا سے متعلق ملک میں دو طرح کی آراء تھیں۔ ایک طبقہ یہ چاہتا تھا کہ غیر ملکی میڈیا کو کسی طرح کی چھوٹ نہ دی جائے جب کہ دوسرا طبقہ آئین کے دفعہ 19 کے تحت بولنے کی آزادی کی وجہ سے پابندی کی مخالفت کر رہا تھا۔ ایسے حالات میں سرکار کے سامنے کافی مشکلات درپیش

تھیں۔ بہر حال نئے اصول و ضوابط کا مسودہ تیار کیا گیا جسے نرسمہاراؤ سرکار کی کابینہ نے منظوری دے دی۔

ایسے حالات میں جب کہ کئی غیر ملکی کمپنیاں ہندوستان میں اپنی نشریات شروع کر چکی ہیں اور کئی سالوں کی جدوجہد کے بعد اب جبکہ ان کے قدم جمنے لگے ہیں، ایک نیا قانون ان کے لئے پریشانی کا باعث تھا۔ نئے براڈکاسٹ بل کے تحت غیر ملکی کمپنیوں پر پابندی عائد کی جانی تھی۔ اس بل کے تحت کوئی بھی غیر ملکی کسی بھی میڈیا کمپنی میں 20 فی صد سے زائد کا حقدار نہیں ہو سکتا ہے۔ جبکہ موجودہ صورت حال میں چند مقبول ٹیلی ویژن کمپنیوں میں غیر ملکی سرمایہ کافی صد کچھ اس طرح ہے۔

کمپنی	غیر ملکی سرمایہ (فی صد)
اسٹار ٹیلی ویژن نیٹ ورک	100 فیصد
سونی ٹیلی ویژن	80 فیصد
زی ٹی وی	50 فیصد
ہوم ٹی وی	70 فیصد
ڈسکوری	100 فیصد
سی این این	100 فیصد
بی بی سی	100 فیصد
ای ایس پی این	100 فیصد

گویا ان سبھی ٹیلی ویژن چینلوں کو یا تو اپنی نشریات بند کرنی پڑیں گی یا پھر اپنے حق کا بیشتر حصہ ہندوستانیوں کو فروخت کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ کسی بھی میڈیا کمپنی کا مالک اور چیرمین کسی ہندوستانی کو ہی بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے خلاف STAR اور DISCOVERY نے بڑا واویلا مچایا۔ علاوہ ازیں ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ کوئی ایک کمپنی مواصلات میں دو کاروبار نہیں کر سکتی یعنی اخبارات کے ساتھ ٹیلی ویژن کی کمپنی قائم نہیں کر سکتی۔ ٹیلی ویژن میں بھی کیبل اور سٹیلائٹ میں سے کسی ایک کا ہی انتخاب کرنا ہوگا۔ اس طرح ZEE ٹیلی ویژن والوں کو ان کے کیبل نیٹ ورک Siticable سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

ساتھ ہی "ہندوستان ٹائمز" اخبار والوں کو Home TV کو یا تو بند کرنا پڑے گا یا پھر اس کے حقوق فروخت کرنے پڑیں گے۔

ایک اور مسئلہ تھا کیبل آپریٹروں کا۔ آج ملک میں تقریباً70 ہزار کیبل آپریٹرز ہیں جنہوں نے کم و بیش 1800 / کروڑ روپے اپنے سازو سامان پر خرچ کئے ہوئے ہیں۔ براڈکاسٹ بل کے تحت پورے ملک کو پانچ حلقوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اور ہر حلقہ میں ایک ہی بڑا کیبل آپریٹر ہوا کرے گا۔ اس طرح چھوٹے چھوٹے کیبل آپریٹروں کے روزگار کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہو گا کیونکہ اتنے بڑے حلقے کی ذمہ داری کسی بہت بڑے ادارے کو ہی دی جائے گی۔

ساتھ ہی سبھی سٹیلائٹ چینلوں کو ہندوستان کی سرزمین سے ہی اپنے پروگرام اپ لنک (Uplink) کرنے پڑیں گے اور اس کی مناسب فیس لی جائے گی۔ جبکہ ابھی تک تمام غیر ملکی چینل یہ کام ہانگ کانگ اور سنگاپور سے کیا کرتے ہیں جہاں انہیں یہ سہولت کم قیمت پر دستیاب ہے ساتھ ہی انہوں نے وہاں کی کمپنیوں سے لمبا معاہدہ بھی کر رکھا ہے۔ ایسے حالات میں غیر ملکی چینلوں کے لئے اس شرط کو ماننا ممکن نہیں تھا۔

ایک اور مسئلہ تھا ہندوستانی تہذیب و روایات کی خلاف ورزی کا۔ اگر کوئی چینل کسی بھی طرح کی فحاشی اور ناشائستگی کا مجرم پایا گیا تو اس کی نشریات پر پابندی عائد کی جا سکتی ہے۔ شائستگی اور عریانیت کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی تھی۔ اور نہ ہی جانچ کا کوئی پیمانہ طے پایا تھا۔

ہندوستانی سرزمین پر ہونے والے کسی بھی کھیل کی سیدھی نشریات(Live Telecast) کا حق کسی بھی غیر ملکی ٹیلی ویژن کمپنی کو نہیں دیا جائے گا۔ یہ حق صرف دوردرشن کے لئے محدود رہے گا۔

ان سب کے علاوہ اس بل کے ذریعہ ایک براڈکاسٹنگ اتھارٹی کا قیام عمل میں آنا تھا۔ جو غیر ملکی ٹیلی ویژن چینلوں کو لائسنس عطا کرے گی اور اس سے متعلق دیگر معاملات بھی دیکھے گی۔ اس اتھارٹی کے فرائض میں اس بل میں شامل تمام ضوابط کی پابندی کرانا بھی تھا اور سزا دینے کا حق بھی اسے دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی یہ اشتہارات اور غیر عوامی نشریات کی دیکھ ریکھ بھی کرے گی۔

تین سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی اس براڈکاسٹ بل پر بحث اور

ترمیمات کا سلسلہ جاری ہے اور یہ بل آج تک پارلیامنٹ میں پیش نہیں ہو سکا ہے۔ حالیہ حکومت کے ریاستی وزیر اطلاعات ونشریات مختار عباس نقوی کے بیان کے مطابق بہت جلد یہ بل پارلیامنٹ میں پیش ہو جائے گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ بل کس شکل میں پارلیامنٹ میں پیش ہوتا ہے اور بحث ومباحثہ بعد اس کی کیا شکل بنتی ہے۔

اس کی قرارداد کس حد تک نافذ ہو سکیں گی۔ آنے والے برسوں میں امید ہے کہ یہ چیزیں واضح ہو پائیں گی۔

سماج کی بدلتی قدریں اور الیکٹرانک میڈیا کا کردار

وقت تغیر پذیر ہے اور تبدیلیوں کا عمل قدرتی۔ گذشتہ چند برسوں میں الیکٹرانک میڈیا کی حیرت انگیز ترقی نے عالمی سطح پر انسانی زندگی کو متاثر کیا ہے۔ آج ہم جس ماحول میں سانس لے رہے ہیں وہ پوری طرح سے ایک معلوماتی معاشرے میں تبدیل ہو چکا ہے۔

ٹیلی ویژن کی ایجاد نے لوگوں کو دور دراز کے واقعات بہ چشم خود دیکھنے کی جو سہولت فراہم کی اس کے زیر اثر ہندوستان میں 1959 عیسوی کی ایک معمولی شروعات کے بعد لمبے عرصے تک اس کی ترقی کا عمل خاطر خواہ نہیں رہا۔ لیکن نوے کی دہائی میں جنگ خلیج کے بعد غیر ملکی ٹیلی ویژن چینلوں کی آمد نے اس کی دنیا اس طرح بدل ڈالی جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ آج ہر ماہ کئی نئے چینلوں کے اضافے کے ساتھ اس وقت تقریباً پچاس چینلوں کی نشریات ہمارے ٹیلی ویژن پر موجود ہیں۔

جب چینلوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو ان کی آپسی رسہ کشی بھی شروع ہوئی اور ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی جدو جہد نے زور پکڑا۔ چینلوں کے اس آپسی تنازعے نے نشر ہونے والے پروگراموں کے معیار کو بھی نقصان پہنچایا۔

1984 عیسوی میں جب دوردرشن نے "ہم لوگ" اور "ایسا بھی ہوتا ہے" جیسے سیریلوں کی نشریات شروع کیں تو لوگوں نے اسے کافی پسند کیا۔ گاؤں اور اوسط درجے کے انسانوں کی زندگی پر مبنی ان سیریلوں کو دیکھ کر لوگوں کو خود اپنی کہانی پیش کئے جانے کا احساس ہوا۔ "ہم لوگ" کی بے پناہ مقبولیت کا بنیادی سبب یہ تھا کہ اس کی کہانی ہر شخص کے اپنے گھر اور سماج کی کہانی تھی۔ اس سیریل کا ہر کردار خواہ وہ للو ہو یا ننھے، چھٹکی، منجھلی، بڑکی ہو یا ان کی ماں بھاگونتی اور باپ بسیسر یا پھر دادا، دادی۔ یہ سبھی ناظرین کو اپنے ہی گھر کے فرد لگتے تھے۔ مشترکہ خاندان میں عموماً ہر کوئی اپنی ذمہ

داری دوسروں پر ڈالدینے میں کوشاں نظر آتا ہے۔ جس کی عکاسی اس سیریل میں بخوبی کی گئی ہے کرداروں کے نام بھی ان کی خصوصیت کے اعتبار سے رکھے گئے تھے۔ یہ سیریل تقریباً ڈیڑھ سال میں 156/ قسطوں کی نشریات میں مکمل ہوا تھا۔

اس کے بعد کئی سیریل مثلاً "نکڑ، راگ درباری، جیاد، فوجی، سرکس، انتظار" وغیرہ نشر کئے گئے۔ان سب میں بھی گاؤں اور اوسط طبقے کے انسانوں کی زندگی کی کہانی پیش کی گئی تھی۔ تقریباً یہ سارے سیریل کافی مقبول ہوئے تھے اور لوگوں کے پاس صرف دور درشن کی ہی نشریات دستیاب تھیں۔ لیکن 1992 عیسوی میں زی ٹی وی کی ابتداء نے ٹیلی ویژن کی دنیا میں تبدیلیوں کا عمل شروع کیا۔ زی ٹی وی نے چھوٹے، بڑے، اچھے وبرے سیریلوں سے اپنی نشریات کا آغاز کیا۔ ابتدائی دور میں دور درشن جیسے ہی پروگرام دکھانے کے بعد زی ٹی وی نے اپنی الگ راہ بنانی شروع کی۔ آزاد روش لوگوں کی زندگی پر مبنی سیریلوں کی نشریات شروع ہوئیں، شہری زندگی کو دکھانے کا رجحان بڑھا اور سیریلوں کا موضوع گاؤں سے نکل کر شہر کو چلا گیا۔ شہری اطوار اوعادات اور رہن سہن کو خاص موضوع بنایا گیا اور مار پیٹ کہانی کا لازمی جزو قرار پائے۔

زی ٹی وی کی سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ اس وقت تک کیبل کے کنکشن صرف بڑے شہروں تک ہی محدود تھے اور شہر کے لوگ دیہاتی زندگی میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔

بہر حال کسی مجبوری کے تحت ہی ٹیلی ویژن کے پروگراموں میں تبدیلی آئی اور پھر چینلوں کے یکے بعد دیگرے آمد نے اس رجحان کو مزید فروغ دیا۔ پروگراموں اور سیریلوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ ہر عمر اور طبقے کے لوگوں کے لئے پروگرام شروع ہوئے۔ "ایم ٹی وی" نے تو شہروں میں ایک نئی نسل کو ہی فروغ دیا۔

زی ٹی وی نے ان چینلوں کے درمیان سب سے آگے رہنے کی کوشش میں وہ سب دکھانا شروع کر دیا جسے دور درشن سرکاری اصول وضوابط کی بندش کی وجہ سے نہیں دکھا سکتا تھا۔ تہذیب اور اخلاقیات کی سرحدوں کو پار کرتے ایسے پروگراموں کو دیکھ کر ناظرین شدر رہ گئے۔ زی ٹی وی کے علاوہ سونی اور اسٹار پلس نے بھی ایسے سیریلوں کو فروغ دیا جن میں عریانیت کے علاوہ شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے ناجائز تعلقات، شادی سے قبل کے جسمانی رشتے، زنا بالجبر، حرام کاری،

شراب و سگریٹ کا آزادانہ استعمال، قتل و غارتگیری، چوری، جوا، سیاست دانوں کے غیر اخلاقی کردار اور معمولی باتوں پر ازدواجی رشتوں کے ٹوٹنے وغیرہ موضوعات کو اہمیت دی گئی۔ ان کے زیر اثر انکار کے باوجود دور درشن بھی آیا اور اعلیٰ افسران کی موقع شناسی کی وجہ سے "جنون، سوابھی مان" اور "شانتی" جیسے سیریلوں کی نشریات شروع ہوئیں۔ ان سیریلوں میں عورتوں کے اس روپ کی عکاسی کی گئی جو ہندوستانی تہذیب اور معاشرے کے بالکل برعکس تھی۔ سگریٹ و شراب پینے والی عورتوں کے اپنے شوہر کے علاوہ دیگر مردوں سے جسمانی تعلقات رکھنے اور اسے فخریہ بیان کرنے کی مثالیں عام ہوگئیں۔ عورتوں کے لباس میں تبدیلی آئی۔ مشرقی طرز کو دقیانوسی قرار دیا گیا اور چھوٹے چھوٹے اسکرٹ اور جسم کے ابھاروں کو واضح کرتے ٹاپ اور تیراکی کے تنگ اور مختصر ترین لباسوں کا رواج عام ہوا۔ مردوں کی حالت بھی بدتر ہوئی۔ بغیر آستین کی بنیانوں اور کچھے نما نیکروں میں عورتوں کی طرح نخرے کرتے کردار پسند کئے جانے لگے۔

"ممی۔ شٹ اپ"، "پاپا۔ ڈونٹ بی سلی (Silly)" (جسٹ محبت) اور شوہر کا بیوی سے یہ کہنا کہ "تم اب ٹھنڈی ہو چکی ہو۔ مجھے تم سے زیادہ وہ اچھی لگتی ہے" (حسرتیں) یا پھر بیوی کی شوہر سے یہ مانگ کہ "مجھے تم سے آزادی چاہئے" (حسرتیں) یا پھر چھوٹے بھائی کا بڑے بھائی سے یہ کہنا کہ "اگر آپ مجبور تھے تو زہر کھا کر خودکشی کر لیتے۔ آپ پریمی ہیں تو بڑے بزدل پریمی ہیں" (کورا کاغذ) اور بیٹا کا اپنے باپ سے کو یہ کہنا کہ "میں ایک دن اس گھر سے آپ کو دھکے دے کر نکلواؤں گا" (پلچھن) جیسے جملے فیشن کی مانند سیریلوں میں عام ہوگئے ہیں۔ آج چھوٹے بڑے کا لحاظ اور باتوں کا سلیقہ ختم ہوگیا ہے۔ اب کوئی کسی کو کسی بھی طرح مخاطب کرے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مکالموں میں بھی تبدیلی آئی اور ذو معنی الفاظوں کا استعمال کثرت سے ہونے لگا۔ جملوں کو جان بوجھ کر ادھورا چھوڑا جانے لگا تاکہ سننے والا اپنے اعتبار سے اسکے مطلب نکال سکے۔

آج ٹیلی ویژن پر خاص طور سے دہشت و حیرت انگیز، وحشیانہ اور جنسیات پر مبنی ایسے پروگراموں کی بھرمار ہے جو ناظرین کے بنیادی حواس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے تعلیمی، ثقافتی ادارے یونیسکو (United Nations Educational, Scientific and Cultural Organization) کی ایک حالیہ تحقیق کے مطابق ہندوستان میں ٹیلی ویژن کے

پروگراموں میں تشدد سے بھر پور مناظر بکثرت دکھائے جارہے ہیں۔ ہندی کے پانچ بڑے چینلوں کے صرف نوروز کے وقفے میں لئے گئے ایک جائزے سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ غیر ملکی چینلوں کے ساتھ ساتھ دور درشن کے نیشنل اور میٹرو چینل بھی تشدد آمیز پروگراموں کو کثرت سے نشر کیا کرتے ہیں۔

ان پانچ چینلوں پر نوروز کے دوران نشر پروگراموں میں پر تشدد مناظر کل ملا کر 759 مرتبہ دکھائے گئے تھے۔ اس رپورٹ کے مطابق تشدد کے سب سے زیادہ مناظر زی ٹی وی پر دکھائے گئے جنکی تعداد 365 تھی۔ اسٹار پلس پر 188 مرتبہ، دور درشن میٹرو پر 80، سونی پر 64 اور دور درشن نیشنل پر یہ تعداد 62 رہی۔

واضح رہے کہ یہ جائزے 1998 عیسوی کے ابتدائی ماہ میں لئے گئے تھے۔ اس وقت ایسے سیریلوں کے تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی جتنی آج ہے۔ آج ایک دن کے پروگراموں میں تشدد کے ایسے مناظر کی تعداد ان تعداد سے کہیں زیادہ ہے جن کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ حالانکہ ٹیلی ویژن کی مقبولیت سماج کے ہر طبقے میں یکساں ہے اور ہر عمر کے لوگ اسے بڑی توجہ سے دیکھتے ہیں۔ تشدد آمیز مناظر نابالیدہ ذہنوں کو کافی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ آج ہمارے سماج کی بدلتی قدریں اور انسانی رشتوں میں آرہی گراوٹ اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ بچوں میں تیزی سے پنپ رہے تشدد اور خوف کے رجحانات ایسے ہی پروگراموں کا نتیجہ ہیں۔ آج ہر چینل زیادہ سے زیادہ اشتہارات حاصل کرنے کی کوشش میں ایسے مناظر اور کہانی کو فروغ دے رہا ہے جنکی طرف ناظرین تیزی سے متوجہ ہوتے ہیں۔ تشدد آمیز اور شہوانیت سے بھر پور ایسے پروگراموں کا اثر ہمارے سماج پر پڑ رہا ہے۔ ہر روز جرائم کی خبریں اخباروں کی سرخیوں میں شامل ہوتی ہیں۔ بچوں کے مخصوص پروگراموں میں بھی ایسے پروگراموں کے اشتہارات بکثرت دکھائے جاتے ہیں، جن کا تعلق بچوں سے ہر گز نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر بچوں کے لئے مخصوص ایک پروگرام میں "پلچھن" سیریل کا جو اشتہار (Promo) دکھایا گیا اس کے دو مکالمے اس طرح تھے۔ ایک لڑکی "رنجیت سے میری شادی ہونے والی ہے" دوسری لڑکی۔ "میں رنجیت کے بچے کی ماں بننے والی ہوں" اخلاقی گراوٹ کی ایسی بہت سی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ چند ماہ قبل زی ٹی وی کے ذیلی چینل "زی انڈیا ٹی وی" پر "ایک اور نظریہ" کے تحت اگھوری سادھوؤں

پر ایک پروگرام دکھایا گیا تھا۔ یہ سادھوؤں کی وہ جماعت ہے جو شمشان گھاٹوں کے آس پاس رہا کرتی ہے۔ اس پروگرام میں یہ دکھایا گیا کہ یہ لوگ نہ صرف شراب پیتے اور ادھ جلی لاشوں سے گوشت نوچ کر کھاتے ہیں بلکہ ان لاشوں سے اپنی شہوانی پیاس بھی بجھاتے ہیں۔ ایسے واقعات و مناظر عام انسانی ذہنوں پر بہت برا اثر ڈالتے ہیں۔ اخبار کی اطلاع کے مطابق اس پروگراموں کو دیکھ کر عورتوں کی کئی تنظیموں نے ایسے پروگراموں کی نشریات پر فوری پابندی عائد کرنے کی مانگ کی ہے۔

یونیسکو کی تحقیق کے مطابق ٹیلی ویژن کے ان پانچ چینلوں کے مختلف پروگراموں میں کل ملا کر 59 قسموں کے جسمانی و ذہنی تشدد کے واقعات دکھائے گئے۔ ان میں دھمکانا، طمانچہ مارنا، دھکے دینا، چیخنا و چلانا، فحش حرکتیں کرنا، زنا بالجبر، گولیاں چلانا، چاقو مارنا و قتل کرنا اور گالیاں دینے کے علاوہ ذہنی اذیت دینا، دھمکی آمیز خطوط اور پراسرار و خوفناک آوازیں اور موسیقی خاص طور پر اہم ہیں۔ ایسے تشدد آمیز مناظر غیر ضروری طور پر لمبے وقفے تک دکھائے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کے ذہنوں پر اس کے اثرات قائم ہو سکیں۔

آج سے دو دہائی قبل تک سماج میں بڑھتے جرائم کا ذمہ دار فلموں کو بتایا جاتا تھا، اس وقت ٹیلی ویژن اتنا عام نہیں ہوا تھا جبکہ آج ہر شخص اپنے گھر بیٹھ کر ٹیلی ویژن کے درجنوں چینل پر ہر قسم کے پروگرام دیکھ سکتا ہے۔ ٹیلی ویژن کے کچھ سیریل تو بالواسطہ طور پر نوجوانوں میں ایسے جذبات کو فروغ دے رہے ہیں جو سماج کے لئے سخت نقصان دہ ہیں۔ "اپرادھی"، بھور، انڈیاز موسٹ وانٹڈ" وغیرہ ایسے پروگرام ہیں جن میں جرائم کی سچی کہانیاں دکھائی جاتی ہیں۔ اکثر کہانیوں میں مجرم جرم کے بعد بھاگنے اور پولیس سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے ان سیریلوں میں جرم کے نئے نئے طریقے اور پولیس سے بچ نکلنے کے نئے راستے دکھائے جاتے ہیں۔ ایسے پروگراموں کو دیکھ کر نوجوانوں میں ہی نہیں بلکہ بچوں میں بھی جرم کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ بڑے شہروں میں بچوں کے ذریعہ کئے گئے جرائم کی تعداد کافی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ عیش و عشرت کی جو دنیا ٹیلی ویژن پر دکھائی جا رہی ہے اس کے حصول کی خاطر نوجوانوں نے جرم کا راستہ اپنا لیا ہے۔

دوسری طرف آزادئ گفتار کے نام پر ایسی چیزیں دکھائی جا رہی ہیں جن کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ اکثر اشتہارات جو ٹیلی ویژن پر دکھائے جاتے ہیں ان میں ایسی چیزیں دکھائی جا رہی ہیں جن

کا اثر بچوں پر بہت گہرا پڑ رہا ہے۔ ایک کولڈ ڈرنگ کے اشتہار نے بچوں کو اتنا متاثر کیا کہ ایک بچے نے اس کی نقل اتارنے کی کوشش میں کئی منزلہ عمارت کی چھت سے چھلانگ لگادی اور دم بہ دم میں موت کی آغوش میں جاسویا۔ ایسے کئی واقعات سامنے آئے ہیں، لیکن آج بھی ٹیلی ویژن پر اشتہاروں کا سلسلہ اسی طرح جاری ہے اور ان میں کثیر تعداد ایسے اشتہارات کی ہے جن کا منفی اثر نابالیدہ ذہنوں پر پڑ رہا ہے۔ خواہ وہ کسی مشروب کے اشتہار ہوں یا پھر چاکلیٹ کے لیکن زیادہ تر اشتہارات بچوں پر برا اثر ڈال رہے ہیں۔

اگر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ڈراونے اور مافوق الفطری سیریلوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ناممکنات کو ہوتے ہوئے اس طرح دکھایا جاتا ہے تاکہ بچے ایسے سیریلوں کی طرف جلد متوجہ ہوں۔ بھوت پریت کے موضوعات پر مبنی سیریلوں کی کثیر تعداد موجود ہے۔ ایسے سیریل بچوں کی ذہنی نشوونما میں روکاوٹ ڈالنے کا سبب ہیں۔ اتنا ہی نہیں بچوں کے مخصوص پروگراموں میں بھی دیر رات کو نشر ہونے والے ایسے پروگراموں کی بھی جھلک دکھائی جاتی ہے جو صرف بڑوں کے لئے مخصوص ہوا کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں بچوں میں ان پروگراموں کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور والدین کی نافرمانی کر کے بھی وہ کسی طرح ایسے پروگراموں کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سب سے اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ ٹیلی ویژن کے زیر اثر سماج میں حرام کاری کا رجحان تیزی سے فروغ پارہا ہے۔ آج ٹیلی ویژن کے تقریباً سبھی چینلوں پر ایسے سیریل کی کثیر تعداد موجود ہے جن میں یہ دکھایا جارہا ہے کہ مرد خواہ کتنا ہی شریف کیوں نہ ہو پھر بھی اس کی نگاہیں اپنی بیوی کے علاوہ بھی کچھ اور کی تلاش میں رہتی ہیں۔ اسے ہمیشہ دوسری عورت اچھی لگتی ہے۔ یہ معاملہ صرف مردوں تک ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اچھے اور شریف گھرانوں کی عورتیں بھی ایسے معاملات میں ملوث ہیں اور اپنے شوہر کے علاوہ غیر مردوں سے تعلقات رکھنا فخر اور شان و شوکت کی نشانی مانتی ہیں۔

اگرچہ ہمارے سماج میں ایسی مثالیں ہمیشہ سے موجود رہی ہیں۔ لیکن سیریل بنانے والے ان چند مثالوں کو اسطرح عام کررہے ہیں گویا پورا سماج ہی ان میں ملوث ہو۔ بیڈ روم کی وہ باتیں جو پہلے بہت ہی ذاتی قسم کی ہوا کرتی تھیں اور جنکی خبر میاں بیوی کے علاوہ خاندان کے دیگر افراد کو بھی نہیں

ہوتی تھی آج عموماً بحث اور گفتگو کا موضوع ہیں۔ آج ٹیلی ویژن پر میاں بیوی کے آپسی مکالمے بھی اسطرح پروگراموں میں دکھائے جارہے ہیں گویا یہ بند کمروں کے حدود کو توڑ کر باہر آچکے ہیں۔ اگر چہ آج بھی ہندوستانی معاشرے میں ایسی باتوں کا عوامی اظہار معیوب سمجھا جاتا ہے۔

زی ٹی وی کے سیریل "تارا" سے شروع ہوا یہ رجحان آج بیشتر سیریلوں کا خاص موضوع ہے۔ شادی شدہ مردوں یا عورتوں کا اپنے خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے ساتھ رہنے یا ان سے تعلقات قائم کرنے کی مثالیں آج کسی نہ کسی شکل میں سبھی سیریلوں کا موضوع ہیں۔ خواہ وہ "سیلاب، حنا، انداز، قرض، حسرتیں، کورا کاغذ، جنون، سوابھی مان، ،شانتی" ہوں یا پھر "سانس اور تنہا" وغیرہ۔ یہ تو بس چند مثالیں ہیں ورنہ آج ٹیلی ویژن کے سبھی چینلوں پر ایسے سیریلوں کی تعداد ہی سب سے زیادہ ہے۔ ان سیریلوں کا بنیادی موضوع ہی حرام کاری (Adultery) ہے جہاں کرداروں کی ازدواجی زندگی سے باہر کے تعلقات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ زی ٹی وی کے سیریل "حسرتیں" نے صرف اسی بنیاد پر اتنی مقبولیت حاصل کی اور 209 قسطوں کی نشریات کے بعد جب اسے بند کیا گیا تو ناظرین اسے مزید بڑھانے کی مانگ کرتے رہے۔ ایسے ہی موضوع پر بنے ایک سیریل "سیلاب" کے ہدایت کار روی رائے اس سلسلے میں اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"آج ہمارے چاروں طرف ایسی مثالیں کثرت سے موجود ہیں جہاں بھائی۔ بہن، ماں۔ بیٹے اور باپ۔ بیٹی کے درمیان ناجائز تعلقات قائم ہیں" (دہلی ٹائمز، ٹائمز آف انڈیا، ۱۴/ مئی ۹۹)

دور درشن کے مشہور سیریل "شانتی" کا خاص موضوع ہی ایک بڑے کاروباری کے ذریعہ ایک عورت کی عصمت دری کا معاملہ تھا اور اس سے پیدا شدہ ناجائز اولاد ہی اس کہانی کا اہم کردار ہے جو اپنی ماں کے ساتھ کی گئی بد سلوکیوں کا پردہ فاش کرنا چاہتی ہے۔ 780 قسطوں پر مکمل اس سیریل میں شروع سے آخر تک ایسے ہی موضوعات پر بحث جاری ہے۔

آج ٹیلی ویژن کے لئے سیریل بنانے والے اسے ہمارے معاشرے میں آرہی تبدیلیاں قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ایسے سیریل ہماری سوسائٹی کا آئینہ ہیں"۔ اسٹار پلس کے سیریل "سانس" کی ہی مثال دیکھیں جہاں دو نوجوان بچوں کا ذمہ دار باپ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر دوسری عورت کے ساتھ رہنے چلا جاتا ہے۔ شروع سے اس شخص کی مثال ایک ذمہ دار شوہر اور

اصول پسند باپ کی سی دکھائی گئی تھی لیکن اس شخص میں بھی تبدیلیاں آئیں اور بالآخر اس نے اپنی بیوی سے طلاق حاصل کر کے اپنی محبوبہ کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

سونی کے سیریل "حنا" میں ایک نئی نویلی دلہن کو شادی کی پہلی ہی رات اس کا شوہر یہ بتا دیتا ہے کہ وہ کسی اور لڑکی سے پیار کرتا ہے اور اسے ہی اپنی بیوی مانتا ہے۔

آج مختلف سیریلوں میں بیوی کی اپنے شوہر اور اپنے خاندان سے بے وفائی کی مثالیں عام طور پر دیکھنے کو ملتی ہیں۔ بیوی کا شوہر سے برا سلوک اور اس سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش ہی کئی سیریلوں کا خاص موضوع ہے۔ بیوی کی شوہر سے یہ مانگ کہ "تم مجھے آزادی دو گے یا نہیں" (اسپرش)، یا پھر یہ جملہ "میں اب تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی، مجھے طلاق چاہئے" (سوابھی مان) وغیرہ ہمارے سماج میں ازدواجی زندگی میں دراڑ پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ دوسری طرف شوہر کا بھی اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ "تم اب ٹھنڈی ہو چکی ہو، مجھے تم سے زیادہ وہ اچھی لگتی ہے" (سیلاب) یا پھر "تم مجھ سے سوال پوچھنے والی ہوتی کون ہو۔ میں جو چاہوں کروں" (تنہا) وغیرہ جملے اور آپسی رنجش لڑائی جھگڑے کے مناظر بکثرت دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ایک جائزے سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ پچھلے پانچ سالوں میں طلاق کے معاملات میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور عدالت میں ہر روز ایسے مقدموں کی سماعت جاری ہے۔ واضح طور پر یہ ٹیلی ویژن کے ایسے پروگراموں کا ہی اثر ہے جن میں ذرا ذرا سی بات پر طلاق لے لینے کے واقعات کثرت سے دکھائے جاتے ہیں۔ اگرچہ سماج میں پہلے بھی طلاق کا مسئلہ اٹھتا تھا لیکن اکثر معاملوں میں آپسی صلح ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن اب معمولی سی بات کو ہی موضوع بنا کر طلاق کا مقدمہ دائر کر دیا جاتا ہے۔

نہ صرف سیریلوں کے ذریعہ ایسے معاملات کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ بلکہ سوال و جواب کے چند ایسے پروگرام نشر کئے جا رہے ہیں جن میں ناظرین کے سوالوں اور مسائل کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک پروگرام "ہیلو" میں ایک عورت نے ٹیلی فون پر اپنی پریشانی بتائی کہ "میرے شوہر ایک دوسری عورت کے ساتھ بھی تعلقات بنائے ہوئے ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں، کیا کروں؟" اس مسئلہ کا جواب سنجیدگی سے دینے کے بجائے اسے مسئلہ کا جو حل بتایا گیا وہ کسی بھی طرح

اس عورت کے لئے معاون نہیں ہو سکتا۔ جواب دیا گیا کہ "گھبرائیے نہیں۔ آپ بھی کسی دوسرے مرد سے دوستی کر لیجئے۔"

کیا اس طرح مسئلہ کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ یا پھر پریشانیوں میں مزید اضافہ کر کے حالات کو ناسازگار بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایسے پروگرام نئی نسل کو مزید گمراہ کر رہے ہیں اور ازدواجی زندگی میں بڑھتے فاصلے اس امر کا واضح ثبوت ہیں۔ کیونکہ یہ ہمارے سماج اور خاندانی رشتوں کی سچائی سے کافی دور ایک ایسے دلفریب عالم کی تصویر پیش کر رہے ہیں جہاں انسانی رشتوں کی زیادہ اہمیت نہیں ہے اور وہ ان چیزوں کو بھی درست قرار دیتے ہیں جسے ہماری تہذیب اور ماحول نے ممنوع قرار دیا ہے۔ ٹیلی ویژن کا سماج ہمارے روایتی سماج کا نہ صرف برعکس ہے بلکہ اس کا طنزیہ مذاق بھی ہے۔ آج ٹیلی ویژن کے زیر اثر خاندان میں جرائم کی تعداد بڑھ رہی ہے یا پھر مجرموں کا ہی خاندان پنپ رہا ہے۔ جسمانی سکون زیادہ اہم ہوتے جا رہے ہیں اور سماج کے لئے یہ اشارہ ہے کہ انسان جسمانی راحت اور سکون کے لئے اور بالخصوص نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔ آج جس طرح کے پروگرام نشر ہو رہے ہیں ان میں بے ہودگی اور بے شرمی اپنی انتہا کو پہنچتی جا رہی ہے۔

غیر قانونی طریقے سے حاصل شدہ دولت سے عیش و عشرت کی زندگی گذارنے کی داستان ٹیلی ویژن کے سیریلوں کی جان ہے۔ غیر ملکی چینلوں پر ایسے پروگراموں کی نشریات ہی ان کی مقبولیت کی دلیل ہیں۔ دوردرشن نے بھی اپنے بنیادی مقصد تعلیم و تفریح کو پرے ڈال کر ایسے پروگراموں کو ترجیح دینی شروع کر دی ہے جن کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ پیسہ کمایا جائے۔ اس قسم کے پروگراموں نے نوجوانوں میں زندگی کو بھرپور جینے کی خواہش کو جس طرح تیز کیا ہے وہیں ناکام ہونے پر افسوس کی جگہ زندگی کو ہی ختم کر دینے کا سلسلہ عام ہوتا جا رہا ہے۔ نوجوانوں میں خودکشی کا رجحان جس تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے وہ ہمارے سماج کے لئے کافی خطرناک ہے۔ محدود وسائل میں لامحدود خواہشات کی تکمیل کسی بھی طرح ممکن نہیں اور ٹیلی ویژن نے انسانی خواہشات کو لامحدود کر دیا ہے۔

کہا جاتا تھا کہ ہندوستانی تہذیب بہت قدیم ہے اور اس کی جڑیں کافی گہری ہیں۔ لیکن ٹیلی ویژن کے پروگراموں نے نہ صرف ہماری اس تہذیب کو کمزور اور کھوکھلا کیا بلکہ ایک نئی تہذیب کی داغ بیل ڈالی جو آج ہمارے چاروں طرف دکھائی دے رہی ہے۔ آج ہم ان چیزوں کو اہمیت دیتے جو

ذاتی زندگی میں زیادہ اہم ہے۔ اجتماعی خاندان کا تصور ختم ہوتا جارہا ہے آج بنیادی خاندان (Nucle-ar Family) کا تصور تیزی سے فروغ پارہا ہے۔ بوڑھے والدین کی ذمہ داریاں اب "اولڈ ایج ہوم" تک چھوڑ آنے پر پوری ہو جاتی ہیں۔ زندگی کی رفتار اتنی تیز ہوتی جارہی ہے کہ پیچھے مڑ کر دیکھنا مشکل اور رکنا ناممکن ہے۔

پچھلے کچھ برسوں میں نشر ہوئے سیریلوں اور دیگر پروگراموں کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ آج یہ تبدیلی یک بہ یک نہیں واقع ہوئی بلکہ ہمارے سماج کو زہر کا یہ پیالا آہستہ آہستہ ہی پلایا گیا۔ تاریخی حقائق پر بنائے گئے سیریلوں میں کہانی میں نیا پن لانے کی کوشش میں جس طرح تشدد اور غیر اخلاقی واقعات کی عکاسی کی گئی وہ بھی خود میں ایک مثال ہے۔ شوہر۔ بیوی کے رشتوں میں اتنی گہرائی تلاش کی گئی کہ پاکیزہ سمجھا جانے والا یہ رشتہ بھی موضوع بحث بن کر رہ گیا۔

مذہبی اعتقادوں اور موضوعات پر بنے سیریلوں نے بھی جسم کی بیجا نمائش اور مناظر و مکالموں کے ذریعہ ذہنوں کو پراگندہ کا کام بخوبی انجام دیا ہے۔ مذہبی کرداروں کی تشریح جس طرح کی گئی اس سے ہمارے سماج میں اچھائیوں اور مذہبی جذبات کے بر خلاف برائیوں اور لامذہبیت کو ہی بڑھاوا ملا ہے۔ ہندوستان ایک کثیر عقائد اور مذاہب کا ملک ہے ان سیریلوں نے اپنے مخصوص عقائد اور مذہبی خیالات کی تشہیر کچھ اس طرح کی کہ ان سیریلوں سے یک جہتی کے بجائے خود پرستی کو ہی فروغ ملا۔

ٹیلی ویژن کے سیریلوں نے جس طرح ہمارے سماج کو متاثر کیا ہے وہ کام کوئی دوسرا وسیلہ اتنی جلدی نہیں کر سکتا تھا۔ چوبیس گھنٹے نشر ہونے والے درجنوں چینلوں پر ایسے پروگرام کثرت سے دکھائے جاتے ہیں جو اخلاقی پستی کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ زی ٹی وی پر "تارا، پریورتن، آندھی جذباتوں کی، ہائے زندگی وائے زندگی، پرمیرا، حسرتیں، نیا دور، انداز، بات بن جائے، قرض، سیلاب، چاہت اور نفرت، چٹان، بنے گی اپنی بات، وکالت، زنجیریں، چلتے چلتے،" اور "زی ہارر شو" وغیرہ سیریلوں نے ہر قسم کی حدود سے پرے ایسی کہانیوں اور مناظر کو فروغ دیا جو کسی بھی طرح ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں۔ اب سیریلوں کا مقصد تفریح اور معلومات سے ہٹ کر پیسے کمانا ہو گیا۔ ایک سیریل میں ایک عورت کا یہ جملہ کہ "یہ میرا پہلا نہیں گیارہواں شوہر ہے" (تارا) آزادی کے نام پر عورتوں کو کیا بتانا چاہتا ہے۔ آج بیشتر سیریل ایسے ہیں جنہیں آپ اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر

نہیں دیکھ سکتے۔ روایت پسندی کا جواب عموماً یہ ملتا ہے کہ "پاپا و ممی تو پرانے خیالات کے دقیانوسی لوگ ہیں، انہیں تو اب سنیاس لے لینا چاہئے" (پریورتن)

سونی چینل پر "خاموشی، جسٹ محبت، جگر، زمانہ بدل گیا ہے، کھویا کھویا چاند، تھوڑا ہے تھوڑے کی ضرورت ہے، تیرے میرے سپنے، حنا، پہچان، ایک محل ہو سپنوں کا" یا پھر نئے سیریلوں میں "اسپرش، کبھی یہ کبھی وہ" وغیرہ ایسے سیریل ہیں جنکی کہانیاں ایک دوسرے سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ رئیسوں کی آپسی جنگ، جوانوں کی اخلاقی پستی اور اپنے مفاد کی خاطر اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی گزند پہنچاتے کردار ان سیریلوں کی خصوصیات ہیں۔ آج تفریح کے نام پر ایسے مناظر دکھائے جاتے ہیں جو بے ایمانی اور بیمار ذہنیت کو مزید فروغ دے رہے ہیں۔ عورتوں کی آزادی کے نام پر اس چینل کے ایک سیریل "فاصلے" کی مسز شیکھر بات بات پر شراب کے جام چڑھاتی ہیں اور نائٹ کلب میں اپنے مرد دوست سے اپنے گھر نہ جانے کا اعلان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "پنکھ پھیلا کر اڑنے کی جتنی مہلت مجھے ملتی ہے اتنی دیر میں اس پنجرے کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔ آج کی رات میں تمہارے ساتھ رہونگی۔" اس طرح کے جملے ہمیں دیگر سیریلوں میں بھی سننے کو ملتے ہیں۔ سونی کے ایک پروگرام "موورس اینڈ شیکرس" میں دو معنی کے لفظوں کا کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور ساتھ ہی مدعو کی گئی خواتین مہمانوں سے پروگرام پیش کرنے والا اوٹ پٹانگ سوالات پوچھتا ہے جو اکثر ان کی شرمندگی کا باعث بھی ہوتا ہے۔ دیگر سیریلوں میں بھی شوہر بیوی کے رشتوں میں دراڑ، غیر مردوں کی بانہوں میں سمٹتی عورتیں، بچوں کا اپنے والدین سے برا سلوک وغیرہ ہی موضوع ہوا کرتے ہیں۔

اسٹار پلس کی تو بات ہی نرالی ہے۔ اس چینل پر ہندی کے سیریلوں کے علاوہ انگریزی کے کئی سیریلوں کی نشریات کی جارہی ہیں۔ انگریزی سیریلوں میں "بولڈ اینڈ بیوٹی فل، سانتا باربرا" کے علاوہ "بے واچ" کی نشریات بہت مقبول ہیں اور انہیں ہر عمر و طبقے کے لوگ بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں۔ "بولڈ اینڈ بیوٹی فل" میں جو کہانی پیش کی جارہی ہے وہ دنیا کے کسی بھی مہذب سماج میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ مختلف کہانیوں میں یہ دکھایا جارہا ہے کہ ایک شخص کی بیوی اپنے شوہر کے بھائی سے محبت کرنے لگتی ہے اور اپنے شوہر سے طلاق لے کر اس سے شادی کر لیتی ہے۔ لیکن کچھ دن اس کے

ساتھ گزارنے کے بعد اپنے سابقہ شوہر کے پاس واپس آجاتی ہے۔ جہاں اس سیریل میں ایک طرف یہ کہانی چل رہی ہوتی ہے وہیں دوسری طرف ایک باپ اپنے بیٹے کی بیوی پر عاشق ہو جاتا ہے دونوں کی محبت پروان چڑھتی ہے اور وہ باپ اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لیتا ہے اور ایک بچے کا باپ بھی بنتا ہے۔ وہیں اس کا بیٹا بھی اس عورت کو جو پہلے اس کی بیوی تھی اپنے بچے کی بھی ماں بنا دیتا ہے۔ گویا ایک ہی عورت بہ یک وقت باپ اور بیٹے دونوں کی بیوی بن جاتی ہے۔ ایسی مثال دنیا کے کسی بھی مہذب سماج میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ ساتھ ہی اس سیریل میں بیڈ روم کے وہ مناظر بھی تفصیل سے دکھائے گئے ہیں جو کسی شخص کی انتہائی نجی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں۔

"سانتا باربرا" میں بھی کہانی سطحی سی ہے اور اس سیریل کی ہر قسطوں میں بیڈ روم کے مناظر کے علاوہ سمندر کے کنارے ہم بستری کر رہے جوڑوں کے مناظر بڑے طویل وقفے تک دکھائے جاتے ہیں جس سے نہ صرف ناظرین کے جذبات بھڑکتے ہیں بلکہ جرم کا رجحان بھی پنپتا ہے۔ اسی طرح مشہور سیریل "بے واچ" کی مثال دیکھیں۔ جس میں تیراکی کے لباسوں میں لائف گارڈ لڑکے لڑکیاں ڈوبنے والوں کو بچاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مختصر اور تنگ ترین لباسوں میں لڑکیوں کا پورا جسم واضح دکھائی دیتا ہے۔ ساتھ ہی بوس وکنار اور ناچ گانے کے لمبے لمبے مناظر بھی ناظرین کی سانسوں کو مزید تیز کرتے ہیں۔

یہ سبھی سیریل ہمیں کس سماج کی تصویر دکھا رہے ہیں۔ انگریزی کے ان سیریلوں کے علاوہ اس چینل پر ہندی کے سیریل بھی ان موضوعات سے اچھوتے نہیں ہیں۔ ہندی کے سیریلوں میں بھی کچھ ایسے مناظر کسی نہ کسی بہانے سے ضرور موجود ہیں۔

اس چینل پر مقبول سیریلوں میں "سانس، تنہا، عجیب داستان، وراثت، اور پھر ایک دن، کورا کاغذ، زمین آسمان، ایرادھی، ثبوت، ایک ملاقات، پلچھن" کے علاوہ "شاک ٹی وی، اسٹار بیسٹ سیلر" وغیرہ میں کہانی کا محور ناجائز اولاد یا ناجائز رشتوں کے علاوہ خوفناک اور تشدد آمیز واقعات کے اردگرد ہی گھومتا دکھائی دیتا ہے۔ مجرموں کے کردار اس وضاحت سے پیش کئے جاتے ہیں کہ ناظرین پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ اکثر حالات میں جرم کرنے کے بعد مجرم کس طرح خود کو بچا لیتا ہے۔ ایسے واقعات ہمارے سماج میں مجرمانہ ذہن رکھنے والے نوجوانوں کو جرم کی طرف راغب کرتے ہیں اور وہ انہیں

ہتھکنڈوں کو استعمال کر کے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

ان سٹیلائٹ چینلوں کے علاوہ ہندوستانی ٹیلی ویژن یعنی دوردرشن بھی ان آلودگیوں سے مبرا نہیں۔ دوردرشن کے نیشنل اور میٹرو چینل پر بھی دیگر چینلوں کی ہی طرح ایسے پروگراموں کی کثیر تعداد موجود ہے جن میں عریانیت اور تشدد کی بہتات ہے۔ دوردرشن کے نیشنل چینل پر بچوں کا ایک مقبول پروگرام "شکتی مان" نشر ہو رہا ہے۔ اس پروگرام کا ہیرو ایک ایسا انسان ہے جو غیر فطری حرکتیں کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بچوں کے مسیحا کے طور پر اس کردار نے پریشانی میں مبتلا بچوں کی جانیں بڑے کرشمائی طریقے سے بچائی ہیں۔ یہ کردار بچوں میں اتنا مقبول ہوا کہ بچے اس کی نقل اتارنے لگے اور کئی بچوں نے اس امید پر کہ شکتی مان آکر ان کی جان بچالے گا، مختلف واقعات میں اپنی جانیں گنوادی۔ کئی بچوں نے خود کو اس امید پر آگ لگالی کہ شکتی مان آکر بچالے گا۔ کچھ بچوں کو تو موقع پر مناسب کاروائی سے بچالیا گیا۔ کچھ بچوں نے اونچی عمارتوں سے چھلانگ لگادی کہ شکتی مان انہیں ہوا میں پکڑلے گا لیکن ان معصوموں کو اپنی جان گنوانی پڑی۔ اسی طرح کئی واقعات سامنے آئے اور مستقل یہ مانگ کی گئی کہ اس سیریل پر پابندی عائد کی جائے۔ اس سلسلے میں کئی معاملات مختلف عدالتوں میں زیر سماعت بھی ہیں۔

اس کے علاوہ نیشنل چینل پر "شانتی، سوابھی مان، جنون، اپراودھی، اتہاس، وقت کی رفتار، چندر کانتا، کیپٹن ویوم" وغیرہ ایسے سیریل ہیں جن میں تشدد اور غیر فطری عناصر کے علاوہ عریانیت اور فیشن پرستی کا غلبہ نظر آتا ہے۔ "شانتی" کا بنیادی موضوع ناجائز اولاد کی جدوجہد ہے۔ "سوابھی مان" اور "جنون" میں کاروباری گھرانوں کی آپسی رسہ کشی کے علاوہ ناجائز تعلقات کو خاص موضوع بنایا گیا ہے۔ "اپراجتا، اتہاس، وقت کی رفتار" وغیرہ سیریلوں میں عورتوں پر ہو رہے مظالم کو اتنی تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے کہ اس کا منفی اثر ناظرین کے ذہنوں پر پڑتا ہے۔ "کیپٹن ویوم" میں ایک انسان کا بھوت ایک بنگلے میں آکر رہنے والے خاندان کا جینا حرام کر دیتا ہے۔ اکثر وہ کسی نہ کسی کو قتل کر دیتا ہے تاکہ خوف و ہراس پیدا ہو اور لوگ اس بنگلے کو خالی کر دیں۔ لیکن جب اس بنگلے میں دو بچوں کے ساتھ اس کی ماں رہنے آتی ہے تو وہ بھوت ان لوگوں کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے لیکن بعد میں وہ ان بچوں کا دوست بن جاتا ہے۔ جہاں ایک طرف اس سیریل کی ابتدائی

قسطوں میں بڑے ڈراونے کردار دکھائے گئے تھے اور بھوت کو اس طرح پیش کیا گیا تھا جس سے دیکھنے والے کو خوف محسوس ہو۔ لیکن بعد میں جس طرح بچوں کو اس سے دوستی کرتے دکھایا گیا اس سے دیکھنے والے بچوں میں بھی بہادری کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تاریخی حقائق پر بنے سیریل "میں دلی ہوں" اور "مہارانا پرتاپ" وغیرہ میں بھی ایسے مناظر پیش کئے گئے جو ان تاریخی حقائق سے کوئی مماثلت نہیں رکھتے، راجوں مہاراجوں کی بیگمات کو اس طرح دوسرے درباریوں سے رومانس کرتے دکھایا گیا جن میں عریانیت کا پہلو نمایاں تھا۔ اسی طرح نیشنل چینل کے دیگر پروگراموں میں بھی کم وبیش انہیں چیزوں کی تصویر کشی کی گئی ہے، جنہیں غیر ملکی سٹیلائٹ چینلوں نے فروغ دیا تھا۔

دور درشن کا میٹرو چینل بھی کسی سے کم نہیں۔ اس چینل پر جو پروگرام نشر ہو رہے ہیں انہیں دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ ہمارے اس دور درشن کی نشریات ہیں جس کا مقصد تفریح کے ساتھ ساتھ معلومات فراہم کرنا تھا۔ آج صرف تفریح ہی مقصد بن گیا ہے اور وہ بھی اس درجے کی تفریح جس کے مثبت سے زیادہ منفی اثرات ہمارے سماج پر پڑ رہے ہیں۔ "ہندوستانی، سی ہاکس، راجہ اور رانجو، کیپٹن ہاؤس، پڑوسن، شریمان شریمتی" وغیرہ ایسے پروگرام ہیں جن میں عریانیت اور تشدد کا بول بالا ہے۔ فیشن کے زیر اثر کرداروں کے پہناوے میں بھی واضح تبدیلی آئی ہے۔ مختصر ترین لباسوں میں لڑکیوں کو اس طرح پیش کیا جا رہا ہے گویا اخلاقی قدروں کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی۔ زندگی کی حقیقتوں سے پرے کچھ سیریلوں میں تو ایک ایسی دنیا کی منظر کشی کی جا رہی جو صرف انسانی تخیل میں ہی ممکن ہے۔

جہاں ایک طرف سماج پر برا اثر ڈالنے والے پروگراموں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے وہیں دوسری طرف سماجی اور اخلاقی موضوعات پر بھی پروگرام نشر کئے جا رہے ہیں۔ ایسے بامقصد پروگراموں کی تعداد اگرچہ بہت کم ہے لیکن پھر بھی ایسے پروگرام ہمارے معاشرے میں مثبت طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایسے پروگراموں کی زیادہ تر نشریات دور درشن پر ہو رہی ہیں۔ جو معلومات اور سماجی تبدیلی کے اپنے بنیادی مقصد پر کاربند ہونے کا کمتر ثبوت فراہم کر رہا ہے۔ اسی سلسلے کے تحت ایڈس جیسی جان لیوا بیماری سے بچاؤ کے طریقوں پر مختلف انداز کے پروگرام نشر کئے گئے۔ جن

میں "صرف ایک بوتل خون" اور "پھیلتا زہر" اہم ہیں۔

عوام کو آگاہ اور خبر دار کرنے کے فریضے کے تحت دور درشن نے سماجی موضوعات پر دیگر کئی پروگرام نشر کئے۔ بڑے شہروں کی فضائی آلودگی کے باعث ہو رہی ہزاروں اموات اور صحت پر اس کے برے اثرات کو تفصیل کے ساتھ ذکر "کالا زہر" میں دکھایا گیا ہے۔ خاندانی روایت پسندی اور اخلاقی قدروں میں آرہی گراوٹ کی تفصیل "یہ سنسار ہے" میں دکھائی گئیں۔ اس میں شوہر و بیوی کے آپسی تعلقات کو ہر شکوک و شبہات سے دور رکھنے کی ضرورت پر زور دیا گیا تاکہ پورا خاندان آپسی میل و ملاپ سے رہ سکے۔ آج کے انسان کو صرف اپنا مفاد ہی عزیز ہے اور وہ اس کی خاطر دوسروں کو گزند پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس موضوع پر "احساس" کے عنوان سے ایک ٹیلی فلم دکھائی گئی جس میں یہ پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ کسی بھی انسان کی پوری شخصیت دوسروں کی خدمت اور امداد سے ہی ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اسی طرح کے موضوع پر مبنی ایک سیریل "میرے اپنے" بھی قابل ذکر ہے۔ جس میں بچوں کی پرورش و پرداخت کے سلسلے میں رہنمائی کی گئی ہے۔

آج انسان دولت کا دیوانہ ہے اور وہ کسی بھی طرح سے دولت حاصل کرنا چاہتا ہے کہ اس کی زندگی عیش و آرام سے گزر سکے۔ لیکن کیا صرف دولت سے انسان زندگی کی تمام خوشیاں خرید سکتا ہے؟ اس سوال کا بہترین جواب "پیسہ" نامی سیریل میں دکھایا گیا ہے۔ تاریخی عمارتوں کی جانکاری اور انکی تفصیلات "ایک سنہری یاد" کے تحت سلسلہ وار دکھائی گئیں۔ قومی تعلیمی مشن اور تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے مقصد سے دور درشن نے "آسماں اور بھی ہیں" کے عنوان سے تیرہ قسطوں پر مبنی اس سیریل کو نشر کیا۔ جس میں ملک کے مختلف صوبوں سے ایسے اشخاص کی کہانی دکھائی گئی جنہوں نے اپنی لگن اور محنت سے سیکڑوں لوگوں کو تعلیم کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔

آج غیر ملکی کمپنیوں کے آنے اور بازار کی وسعت کے ساتھ ہی صارفین کے حقوق کی پامالی ہونے لگی ہے۔ تحریک صارفین (Consumerism) کی اس اندھی دوڑ میں بازاروں کی حالت میں تیزی سے تبدیلی آگئی ہے۔ اس ماحول میں صارفین کو ان کے حقوق اور اختیارات کی جانکاری دینے کے لئے مختلف قسم کے پروگرام نشر کئے جارہے ہیں۔ ان میں دور درشن پر "گراہک دوست" اور زی ٹی وی پر "ہیلپ لائن" قابل ذکر ہیں۔

عوام کی پریشانیوں اور مشکلات کو جاننے اور اسے سیاست دانوں اور افسروں تک پہنچانے کے لئے اسٹار پلس پر ایک سیریل "آواز" کے نام سے پیش کیا جارہا ہے جس میں عوام کی پریشانیوں اور شکایات کو سننے کے لئے متعلقہ افسر یا سیاست داں کو بلایا جاتا ہے تاکہ ان معاملات کے سلسلے میں ہوئی پیش رفت کے علاوہ ہونے والی امکانی کاروائی کی بھی تفصیلات معلوم کی جاسکے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں ایک طرف ٹیلی ویژن کے پروگرام ہمارے سماج پر برا اثر ڈال رہے ہیں اور سماجی، تہذیبی اور اخلاقی قدروں میں آرہی گراوٹ کا بنیادی سبب ہیں وہیں دوسری طرف ایسے پروگرام بھی موجود ہیں جن سے ناظرین کو نئی چیزیں جاننے اور ان کی مدد سے اپنی پریشانیوں اور مشکلات کو حل کرنے میں سہولت ملتی ہے، خواہ ایسے پروگراموں کی تعداد بہت کم ہی کیوں نہ ہو۔

ایک طرف جہاں ٹیلی ویژن نے سماج میں نامناسب تبدیلیوں کی راہ ہموار کی وہیں دوسری طرف ریڈیو نے بہت سے اچھے کام کئے۔ اس نے خبروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کا عمل تیز کیا اور دوری کے مسئلے کا حل پیش کیا۔ آج ہندوستان کے مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے صبح سے رات تک پروگراموں کو نشر کیا جارہا ہے۔ مختلف کلچر ایک دوسرے سے مل کر اعلیٰ انسانیت کا نمونہ پیش کررہے ہیں۔ ریڈیو کا بنیادی مقصد لوگوں تک اطلاع پہنچانے کے علاوہ ان کی تفریح کا بھی خیال رکھنا ہے۔ علاوہ ازیں عام انسانوں کی زبان میں بات کرنا اور انہیں کی سطح پر ان سے ملنا ہے تاکہ انہیں بھی اس کا فائدہ مل سکے۔

تفریح کے دوسرے ذرائع میں ریڈیو سب سے آسان اور عام طور سے فراہم ہے اس میں انسان کے ہر مشغلے سے متعلق پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ کسانوں کے لئے کھیتی سے متعلق تو طالبعلموں کے لئے پڑھائی سے متعلق پروگراموں کی نشریات بہت مفید ہیں۔ موسیقی سے لے کر خبروں تک ریڈیو پر آج اتنے قسم کے پروگراموں کی نشریات ہورہی ہیں۔ جن کا شمار آسان نہیں۔ جہاں تک سماج کا تعلق ہے آج بھی ریڈیو کی نشریات ہمارے سماج پر مثبت طور پر اثرانداز ہیں۔ اگرچہ ریڈیو کے غلط استعمال سے سماج میں ذہنی بیماری کے جراثیم پھیلائے جاسکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ہندوستانی ریڈیو کا تعلق ہے یہ آج بھی اپنے بنیادی اصولوں پر کاربند ہے۔ آج اس کا دائرہ کار بھی کافی

وسیع ہو گیا ہے اور پروگراموں کے موضوعات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ لیکن اس نے سماج میں ٹیلی ویژن کے ذریعہ لائی گئی تبدیلیوں جیسا عمل نہیں شروع کیا ہے۔ آج بھی ریڈیو کے پروگرام سماجی و اخلاقی قدروں کی پاسداری کرتے ہیں۔ البتہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے معیار میں بھی تبدیلیاں آئی ہیں۔ آج ریڈیو پر جو تقریریں اور مقالے نشر ہوتے ہیں ان کے موضوعات بھی وسیع ہوئے ہیں۔ جدید دور کی پریشانیوں اور نئی ایجادات نے اسے بھی متاثر کیا ہے۔ سماجی موضوعات پر نشر ہونے والے پروگراموں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ ایڈس اور کینسر جیسی مہلک بیماریوں کے متعلق سامعین کو زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنے کے لئے مختلف پروگراموں کو نشر کر کے لوگوں کو اس کے خطرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ آنے والے وقتوں میں اس سے ہونے والے نقصانات کو کم کیا جا سکے۔

تفریحی پروگراموں کا بھی اگر بغور جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ تفریح کے ساتھ ساتھ سامعین کو ایک پیغام دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ آپسی میل وملاپ اور تعلیم کی اہمیت کو اکثر و بیشتر پروگراموں میں اجاگر کیا جاتا ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور نے اپنی کتاب "تنقیدی اشارے" میں ریڈیو سے متعلق لکھا ہے :

> "ریڈیو کا کام نہ تو محض ہنساتے رہنا ہے نہ محض نصیحت کرنا اور نہ صرف اطلاع کرنا، اسے تو کام کی باتوں کو گوارا بنا کر پیش کرنا ہے، اسے حقائق کو دلچسپ اور دلچسپی کو مفید بنانا ہے۔ اسے عوام کو ساتھ لینے کی خاطر ان کی زبان میں بات کرنا اور انہیں کی سطح پر رہنا نہیں بلکہ اسے رفتہ رفتہ بلند کرتے رہنا ہے۔"

(آل احمد سرور، تنقیدی اشارے "کچھ اس کتاب کے متعلق")

ریڈیو کا مقصد محض تفریح نہیں بلکہ خاص مواقع پر اس کے استعمال سے نہایت اہم کام لیا جاتا ہے۔ جنگ کے مواقع پر اس سے پروپگنڈہ کا کام اکثر لیا جاتا ہے۔ سیاست کے میدان میں ریڈیو کا بیجا استعمال بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ لیکن ریڈیو سے عام پسند کی چیزیں ہی عموماً نشر کی جاتی ہیں کیونکہ ریڈیو

کے سامعین کا ایک بڑا طبقہ ان عام انسانوں کا ہے جن کی ذہنی اور جذباتی سطح زیادہ بلند نہیں ہوتی۔

جہاں ایک طرف ٹیلی ویژن پر ہم آواز سننے کے ساتھ ساتھ پروگرام دیکھتے بھی ہیں لیکن ریڈیو کی ایک کمی یہ ہے کہ یہاں ہم صرف سن سکتے ہیں اور میرے خیال میں یہ بہتر بھی ہے

کیونکہ ٹیلی ویژن پر رنگین مناظر اور رنگ برنگے اداکاروں کو دیکھنے میں ہماری توجہ زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے اکثر پیغامات ہم پوری توجہ سے نہیں سن سکتے جب کہ ریڈیو کی نشریات کو ہم غور سے سنتے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہر حال، قصہ مختصر یہ کہ ریڈیو آج بھی اپنے بنیادی مقصد پر قائم ہونے کی وجہ سے سماج میں پھیلتی برائیوں کا حصہ دار نہیں ہے اور انسانی زندگی کو مزید بہتر بنانے کے لئے کوشاں ہے۔

ریڈیو کے اردو اور ہندی پروگراموں کا تجزیہ

1987 عیسوی میں ریڈیائی لہروں کی تلاش کے بعد 1906 عیسوی میں ریڈیو کا وجود عمل میں آیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد لوگوں کو اسکی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ پھر باقاعدہ نشریات کا سلسلہ شروع ہوا اور سامعین کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ دھیرے دھیرے تکنیکی تبدیلیوں کے ساتھ ریڈیو چھوٹی سے چھوٹی شکل میں سامنے آیا۔

جہاں ایک طرف اس میں تکنیکی تبدیلیاں رونما ہوئیں وہیں دوسری طرف اس کی نشریات میں بھی اضافہ ہوا اور دنیا کے بیشتر ممالک تک اس کی رسائی ہو گئی۔ پروگراموں کے ساتھ ہی اسکے موضوعات بھی وسیع ہوئے اور سیاسی، سماجی، معاشی، اخلاقی، تعلیمی غرض یہ کہ سیکڑوں موضوعات پر پروگرام نشر ہونے لگے۔

ہندوستان میں 1924 عیسوی میں ریڈیو کی نشریات شروع ہوئیں اور تب سے مستقل اس میں تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں۔ آج مختلف زبانوں میں اس کی نشریات جاری ہیں اور اس سے مختلف قسم کے کام لئے جا رہے ہیں۔ اگر چہ سنجیدہ مسائل پر نشر ہونے والے پروگراموں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ ریڈیو جہاں ایک طرف تفریح طبع کا وسیلہ ہے وہیں اس سے تعلیم کو فروغ دینے کی کوشش بھی کی جا رہی ہے۔ اس طرح ریڈیو کا کردار عوامی ذرائع مواصلات میں سب سے اہم ہے۔

یہاں آکاش وانی کے نیشنل چینل اور دلی مرکز سے نشر ہوئے چند ہندی پروگراموں کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ہے۔اس میں سامعین کو فون کر کے سوال کرنے کی آسانی فراہم کی گئی ہے اور جیسا کہ اس کے عنوان سے ہی ظاہر ہے اس میں انسانی صحت سے متعلق موضوعات پر سامعین کے سوالوں اور مسائل کا حل ماہر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کے ذریعہ دیا جاتا ہے۔ ہر قسط کا موضوع دو روز قبل نشر کر کے سامعین کو بتادیا جاتا ہے تاکہ اس مرض سے متعلق ان کے کسی بھی مسائل کا حل پیش کیا جاسکے۔اس میں عموماً دو ڈاکٹروں پر مبنی ایک ٹیم ہوا کرتی ہے جب کہ تیسرا شخص رابطہ بنائے رکھنے کا کام کرتا ہے۔

آکاش وانی کے اسٹوڈیو میں موجود یہ ڈاکٹر سامعین کے فون سے پوچھے گئے سوالوں کو سمجھ کر فوری طور پر اس کا جواب دیتے ہیں۔اس میں فون کرنے والے سے بیماری سے متعلق تمام معلومات حاصل کر کے اسے مناسب مشورے دئے جاتے ہیں اور فرداً فرداً ہر سوال کرنے والے کو اس بیماری میں کی جانے والی پرہیز اور دواؤں کے نام بھی بتائے جاتے ہیں۔ گویا بیماری کے علاج کے ساتھ ساتھ ان سے بچاؤ کے طریقوں اور احتیاطی تدابیر کو بھی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

اس پروگرام میں عموماً روز مرہ کی بیماریوں مثلاً بخار، ملیریا، قبض، پیچش، گیس کی شکایت، آنکھوں کا آنا، پیٹ درد، کمر درد، ذیابیطس اور یرقان وغیرہ کے موضوعات پر سامعین کے پوچھے گئے سوالات کا جواب دیا جاتا ہے۔ اس پروگرام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ سامعین کو ان امراض سے متعلق مزید تفصیلات یا علاج کے لئے ان ڈاکٹروں اور اسپتالوں کے پتے مع اوقات کے بتائے جاتے ہیں جہاں ان بیماریوں کا علاج ممکن ہے۔اس طرح سامعین کو نہ صرف ان بیماریوں سے متعلق پوری معلومات حاصل ہوتی ہیں بلکہ وہ ان ڈاکٹروں سے مل کر مریضوں کا علاج بھی کرا سکتے ہیں۔

اس پروگرام میں جہاں ایک طرف ایلوپیتھک طریقہ علاج کی جانکاری دی جاتی ہے وہیں دوسری طرف ہومیوپیتھک، آیورویدک اور یونانی طریقۂ علاج کے بارے میں بھی ماہرین کی رائے پیش کی جاتی ہے۔ اس طرح ان تمام طریقہ علاج کے ماہر ڈاکٹروں اور حکیموں کو اسٹوڈیو میں بلا کر کسی بیماری سے متعلق ان کی آراء سے سامعین کو روشناس کیا جاتا ہے۔

تکنیکی اعتبار سے یہ پروگرام نہایت اہم ہے کیونکہ اس میں مریض یا سوال پوچھنے والے سے اس مرض سے متعلق مزید سوالات کئے جاسکتے ہیں جو وہ فون پر بتا کر صحیح مشورے حاصل کر سکتا ہے۔ عام فہم زبان میں نشر کیا جانے والا یہ پروگرام اتوار اور بدھ کی صبح آدھ گھنٹے کو نشر کیا جاتا ہے۔

ہے۔ اس میں سامعین کو فون کر کے سوال کرنے کی آسانی فراہم کی گئی ہے اور جیسا کہ اس کے عنوان سے ہی ظاہر ہے اس میں انسانی صحت سے متعلق موضوعات پر سامعین کے سوالوں اور مسائل کا حل ماہر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کے ذریعہ دیا جاتا ہے۔ ہر قسط کا موضوع دو روز قبل نشر کر کے سامعین کو بتادیا جاتا ہے تاکہ اس مرض سے متعلق ان کے کسی بھی مسائل کا حل پیش کیا جاسکے۔ اس میں عموماً دو ڈاکٹروں پر مبنی ایک ٹیم ہوا کرتی ہے جب کہ تیسرا شخص رابطہ بنائے رکھنے کا کام کرتا ہے۔

آکاش وانی کے اسٹوڈیو میں موجود یہ ڈاکٹر سامعین کے فون سے پوچھے گئے سوالوں کو سمجھ کر فوری طور پر اس کا جواب دیتے ہیں۔ اس میں فون کرنے والے سے بیماری سے متعلق تمام معلومات حاصل کر کے اسے مناسب مشورے دئے جاتے ہیں اور فرداً فرداً ہر سوال کرنے والے کو اس بیماری میں کی جانے والی پرہیز اور دواؤں کے نام بھی بتائے جاتے ہیں۔ گویا بیماری کے علاج کے ساتھ ساتھ ان سے بچاؤ کے طریقوں اور احتیاطی تدابیر کو بھی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

اس پروگرام میں عموماً روز مرہ کی بیماریوں مثلاً بخار، ملیریا، قبض، پیچش، گیس کی شکایت، آنکھوں کا آنا، پیٹ درد، کمر درد، ذیابیطس اور یرقان وغیرہ کے موضوعات پر سامعین کے پوچھے گئے سوالات کا جواب دیا جاتا ہے۔ اس پروگرام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ سامعین کو ان امراض سے متعلق مزید تفصیلات یا علاج کے لئے ان ڈاکٹروں اور اسپتالوں کے پتے مع اوقات کے بتائے جاتے ہیں جہاں ان بیماریوں کا علاج ممکن ہے۔ اس طرح سامعین کو نہ صرف ان بیماریوں سے متعلق پوری معلومات حاصل ہوتی ہیں بلکہ وہ ان ڈاکٹروں سے مل کر مریضوں کا علاج بھی کرا سکتے ہیں۔

اس پروگرام میں جہاں ایک طرف ایلوپیتھک طریقہ علاج کی جانکاری دی جاتی ہے وہیں دوسری طرف ہومیوپیتھک، آیورویدک اور یونانی طریقۂ علاج کے بارے میں بھی ماہرین کی رائے پیش کی جاتی ہے۔ اس طرح ان تمام طریقہ علاج کے ماہر ڈاکٹروں اور حکیموں کو اسٹوڈیو میں بلا کر کسی بیماری سے متعلق ان کی آراء سے سامعین کو روشناس کیا جاتا ہے۔

تکنیکی اعتبار سے یہ پروگرام نہایت اہم ہے کیونکہ اس میں مریض یا سوال پوچھنے والے سے اس مرض سے متعلق مزید سوالات کئے جاسکتے ہیں جو وہ فون پر بتا کر صحیح مشورے حاصل کر سکتا ہے۔ عام فہم زبان میں نشر کیا جانے والا یہ پروگرام اتوار اور بدھ کی صبح آدھ گھنٹے کو نشر کیا جاتا ہے۔

کرتے ہیں، جنہیں وہ مہمانوں کی خاطر بھاگ بھاگ کر کرتے رہتے ہیں کیونکہ انہیں نوکر کے آجانے کی خبر نہیں ہے۔

مسٹر شرما کو کسی طرح یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ نوکر ان کے گھر کے لئے تلاش کیا گیا تھا جسے مسٹر چوپڑہ نے زبردستی اپنے گھر بلا لیا ہے تو وہ جھٹ سے مسٹر چوپڑہ کا ہی ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کرتے ہیں سبھی مہمان مسٹر چوپڑہ کو ہی گھر کا نوکر سمجھ رہے ہوتے ہیں اور جب کافی ہنگامہ برپا ہوتا ہے تو مسز چوپڑہ بھی باہر آتی ہیں۔ پھر مہمانوں کو یہ پتہ چلتا ہے کہ اتنی دیر سے جسے وہ نوکر سمجھ کر برتاؤ کر رہے تھے وہ ہی گھر کے مالک ہیں تو سب کے قہقہے بلند ہوتے ہیں۔

گویا مزاحیہ انداز میں اس فیچر میں شہر میں نوکروں کی ضرورت اور ان کے حصول کی خاطر تگ و دو کی کہانی کو پیش کیا گیا ہے۔ ہندی زبان کے اس فیچر میں اردو کے الفاظ بکثرت استعمال کئے گئے ہیں۔ اگرچہ انگریزی بھی اکثر سنائی دیتی ہے جو شہروں میں عام بول چال کی زبان میں عموماً شامل ہوتی ہے۔ تکنیکی اعتبار سے ریکارڈنگ کی چند خامیوں کے باوجود یہ ایک اچھا مزاحیہ فیچر ہے۔

اس فیچر کو وی ایم آنند نے لکھا اور کمل دت نے ہدایت کار کے فرائض انجام دئے ہیں۔

آج صبح :

آکاش وانی کے دہلی مرکز سے ہر صبح پندرہ منٹ کو یہ پروگرام نشر کیا جاتا ہے جس میں حالات حاضرہ کے موضوعات پر مذاکروں کے علاوہ کسی موضوع سے متعلق افسران کی رائے بھی پیش کی جاتی ہے۔

اس سلسلے کے تحت ہر صبح دو تین موضوعات پر تفصیلی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ حالیہ مسائل کا ذکر اور سامعین کو ان سے متعلق جانکاری فراہم کی جاتی ہے۔ اکثر و بیشتر کسی نئے قانون کے نفاذ، بجٹ کے اثرات، الیکشن میں الیکٹرانک ووٹنگ مشین کے استعمال، جعلی نوٹوں کی شناخت سے لے کر اسکول و کالج کے داخلے، شہر کی صفائی، ٹریفک کے قوانین، انکم ٹیکس جمع کرنے کی تفصیلات وغیرہ

وغیرہ موضوعات اس پروگرام میں شامل کئے جاتے ہیں۔ ان موضوعات سے متعلق ماہرین اور عوامی رائے کے علاوہ متعلقہ افسران سے اس کی مزید تفصیلات بھی نشر کی جاتی ہیں۔ ان سب کے علاوہ اس پروگرام میں شہر میں ہونے والی تقریبات وغیرہ کی بھی تفصیل بتائی جاتی ہے۔

غرض یہ کہ معلوماتی اور اطلاعاتی نوعیت کا یہ پروگرام سامعین کے لئے نہایت کارآمد ہے۔ تکنیکی اعتبار سے اس پروگرام کی ایک خامی یہ ہے کہ کبھی کبھی کوئی تفصیلات کافی طویل ہوتی ہیں جن کی عموماً ضرورت نہیں ہوتی اور کچھ چیزوں کے بارے میں اتنا مختصر ذکر ہوتا ہے کہ سامعین کو پوری معلومات نہیں مل پاتی ہے۔ اس پروگرام میں عام فہم زبان کے علاوہ انگریزی کا استعمال بھی کثرت سے ملتا ہے۔

دلی درشن :

آکاش وانی کے دہلی مرکز سے ہفتے میں دوبار نشر ہونے والا یہ پروگرام معلوماتی نوعیت کا ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہے، اس کے تحت دہلی میں ہونے والی تمام ثقافتی اور تہذیبی تقریبات کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ خواہ وہ کوی سمیلن ہوں یا پھر مشاعرے، نمائشی میلے ہوں یا سیمینار، غرض یہ کہ کسی بھی موضوع پر ہونے والی تقریبات کی تفصیل مع سرگرمیوں کی ریکارڈنگ کے نشر کی جاتی ہیں تاکہ سامعین کو ان پروگراموں کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے۔

اس پروگرام کا مقصد سامعین کو ان پروگراموں کی تفصیلی جانکاری دینے کے علاوہ شہر کے کسی متنازعہ یا زیر بحث معاملات کے سلسلے میں عام رائے بنانا بھی ہے۔ تکنیکی اعتبار سے اس کی بڑی کمی یہ ہے کہ کبھی کبھی کسی بہت ہی اہم موضوع پر بہت ہی مختصر سی معلومات فراہم کی جاتی ہیں جو تشنگی کا سبب ہیں۔ زبان کے اعتبار سے عام فہم بولی کے علاوہ انگریزی کا استعمال بھی وقتاً فوقتاً سنائی دیتا ہے۔

گرام سبھا :

ریڈیو کے بنیادی مقصد، خبروں اور معلومات فراہم کرانے کے تحت بہت سے پروگرام ایسے نشر کئے جاتے ہیں جن میں نئی باتوں کی جانکاری کے علاوہ سماج کے مخصوص طبقوں کے لئے ان کی پسند کی چیزیں نشر کی جاتی ہیں۔ آکاش وانی کے دہلی مرکز سے روزانہ شام کو نشر ہونے والا یہ پروگرام اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اس پروگرام میں کسانوں کو کھیتی سے متعلق جانکاری فراہم کی جاتی ہیں۔ ماہرین سے ملاقات کی تفصیل نشر کی جاتی ہیں۔ تفریح طبع کے لئے لوک گیت اور دیہاتی گیتوں کے ساتھ ساتھ فلمی نغموں کے ریکارڈ بھی بجائے جاتے ہیں۔ اس میں ملک کے مختلف مسائل مثلاً تیزی سے بڑھتی آبادی، بار بار عام انتخابات کا ہونا، کارگل کی لڑائی اور قدرتی آفات وغیرہ موضوعات پر تقریریں بھی نشر کی جاتی ہیں۔ تقریروں کے اسی سلسلے کے تحت قدرتی آفات پر ایک تقریر نشر کی گئی جس میں یہ بتایا گیا کہ دنیا کا تقریباً ہر خطہ قدرتی آفات کی زد میں آتا ہے۔ عالمی ریڈ کراس سوسائٹی کے 1999ء کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں ہر سال قدرتی آفات سے متاثر ہونے والوں کی کل تعداد ساڑھے چودہ کروڑ سے بھی زیادہ ہے جن میں تقریباً نوے ہزار لوگ موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جہاں ایک طرف اتنا جانی نقصان ہوتا ہے وہیں اس سے ہونے والے مالی نقصانات بھی کم نہیں ہیں اور اندازے کے مطابق ہر سال پچیس کھرب روپے سے بھی زائد کا مالی نقصان دنیا کو اٹھانا پڑتا ہے۔

ہندوستان میں بھی وقتاً فوقتاً ایسی قدرتی آفتیں آتی رہتی ہیں جن میں زلزلہ، سیلاب، قحط سالی، آگ لگنا اور چٹانیں کھسکنے کے علاوہ فصلوں کو کیڑوں سے ہونے والے نقصانات اہم ہیں۔ حالیہ دنوں میں آندھرا پردیش و کرناٹک وغیرہ کے کسانوں کے ذریعہ اجتماعی خودکشی نے سب کا دھیان ان قدرتی آفات کی طرف مرکوز کر دیا۔ گذشتہ سو برسوں کے وقفے میں ہندوستان میں دو بڑے بھیانک زلزلے آچکے ہیں۔ چند برسوں قبل لاتور (مہاراشٹر) میں آیا زلزلہ اور اس میں دس ہزار سے زائد انسانوں کی ہلاکت کا واقعہ ہمارے ذہنوں میں اب بھی تازہ ہے۔ ہر برس سیلاب سے بھی ہزاروں جانیں تلف ہوتی ہیں۔ گذشتہ دنوں اڑیسہ میں آئے فضائی طوفان نے لاکھوں لوگوں کو بے گھر اور ہزاروں کو موت

کی نیند سلا دیا۔ گویا ہندستان میں ہی ہر برس قدرتی آفات سے ہونے والے نقصانات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہزاروں کروڑ روپے کی فصل صرف سیلاب سے تباہ ہو جاتی ہے۔

اس طرح انسانی دلچسپی کے مختلف موضوعات پر تقریروں کے علاوہ کسانوں کو ان پریشانیوں سے بچاؤ کے طریقوں کی بھی جانکاری دی جاتی ہے۔

جہاں تک اس پروگرام کی تکنیک کا سوال ہے تو اس میں ہر روز تقریروں اور ملاقاتوں کے علاوہ لوک گیتوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے تاکہ سامعین کی دلچسپی ان سنجیدہ مسائل کے لئے بھی برقرار رکھی جا سکے جن کی تفصیلات عموماً خشک ہوتی ہیں۔

ہریانہ کے مضافاتی قصبوں میں کثیر تعداد میں سامعین کی موجودگی کے سبب اس پروگرام میں اکثر ہریانوی زبان ہی حاوی نظر آتی ہے۔ ہندی میں تقریروں کے علاوہ پنجابی گیت بھی شامل کئے جاتے ہیں۔ اردو کے الفاظ اور جملے بھی سنائی دیتے ہیں۔ اکثر مشترکہ زبان ہی استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً یہ جملہ ''یہی مقصد ہوتا ہے کہ بھئی اس چیز کی طرف دھیان دیا جائے کہ کس طرح سے جو ڈیوک آپدائیں آتی ہیں ان کے بارے میں پہلے سے سادھان ہوں تو ہم کافی حد تک ان کو کم کر سکتے ہیں، نقصان سے کافی حد تک بچ سکتے ہیں۔''

ایسے جملے اکثر سنائی دیتے ہیں جن میں اردو اور ہندی کے الفاظ شامل ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ معلوماتی نوعیت کا یہ پروگرام کسانوں کے علاوہ عام سامعین کے لئے بھی کافی اہم ہے۔

اردو سروس کے پروگرام

1965 عیسوی میں پاکستان کے ساتھ جنگ کے دوران پاکستانی ریڈیو سے کئے جانے والے پروپیگنڈے اور ہندستانی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوششوں کو ناکام کرنے کی غرض سے یہ منصوبہ بنایا گیا کہ ایک ایسا پروگرام ریڈیو سے شروع کیا جائے جو ان تخریبات کا جواب دے سکے۔ ساتھ ہی یہ

کوشش کی گئی کہ اس پروگرام میں ہندوستانی حکومت کے حق میں پروپیگنڈہ نہ کر کے ادبی وغیر ادبی موضوعات کے دوران کام کی بات کہی جائے۔ جس سے سامعین کی تفریح کے ساتھ ساتھ انہیں حقیقت کا علم بھی ہو۔ آدھ گھنٹے کی نشریات سے اس کی ابتداء ہوئی۔ اس کے سامعین وہ لوگ تھے جو ہندوستان سے جا کر پاکستان میں بس گئے تھے۔ یہ پروگرام بہت جلد مقبول ہو گیا۔ اس طرح بیرونی نشریات کا یہ سلسلہ آدھ گھنٹے سے بڑھا کر نو گھنٹے اور پھر بارہ گھنٹے کا کر دیا گیا۔

ابتدائی دور میں ریڈیو پاکستان کے پروگراموں کے جواب میں حالات حاضرہ پر مبنی پروگراموں کو نشر کیا جاتا تھا۔ "جہاں نما" اور "آج کی بات" ایسے ہی پروگرام تھے جن میں اہم ترین سیاسی موضوعات پر تبصرے نشر ہوتے تھے۔ آہستہ آہستہ نشریات کے وقفے میں اضافے کے ساتھ ہی نئے نئے پروگرام نشر ہونے لگے۔ آج بھی ان پروگراموں کا سلسلہ بدستور جاری ہے البتہ آج ادبی وغیر ادبی موضوعات پر بھی کثیر تعداد میں پروگرام نشر کئے جا رہے ہیں۔

اردو سروس سے حالیہ دنوں میں نشر ہونے والی سیریز میں سے چند مخصوص سیریز کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

غالب بصد انداز :

مرزا غالب کی دو صد سالہ جشن ولادت کے موقع پر "غالب بصد انداز" کے عنوان سے اکیس قسطوں پر مشتمل ادیبوں اور دانشوروں کی تقریریں نشر کی گئیں۔ اس سلسلے کے تحت مرزا غالب کے کسی ایسے مصرعے یا شعر کا انتخاب کیا گیا جو ان کی شاعری کے مختلف پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہوں۔ اسی مصرع یا شعر کو موضوع بنا کر ان پر تقریریں نشر کی گئیں۔ اس سلسلے کے تحت جو مقررین شامل ہوئے ان میں پروفیسر محمد حسن، پروفیسر شارب ردولوی، پروفیسر عبدالحق، پروفیسر مظفر حنفی، مظہر امام، کمال احمد صدیقی وغیرہ اہم ہیں۔

ہم یہاں ان میں سے چند لوگوں کی تقریروں کا جائزہ لے رہے ہیں۔

برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

اس مصرعے کے تحت جو تقریر نشر کی گئی اس میں غالب کے کلام کے اس پہلو کی عکاسی کی گئی جہاں وہ اداسیوں کے موسم میں بھی حوصلے کے پھول کھلاتے اور تھکے ہوئے ذہنوں کو تازہ دم کر کے ان میں امید و زندگی کی نئی شمع روشن کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

مقرر نے غالب کی شاعری کے اس حوصلہ افزا پہلو کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ "غالب کا پورا دیوان غموں کے درمیان امید کی شمع روشن کرنے والے اشعاروں سے آباد ہے"۔

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

یعنی غم کے وجود کا اعتراف کرنے کے باوجود وہ اس کے آگے سپر ڈالنے کے قائل نہیں کیونکہ غم زندگی کے ہر موڑ پر موجود ہے اور اس سے بخوبی نکلنا ہی زندگی کی علامت ہے۔ غالب کے زمانے میں آزاد طبع لوگوں کا ایک فرقہ قلندرانہ طرز پر زندگی گذارتا تھا۔ غالب اس طرز زندگی سے متاثر تھے۔

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

آزاد طبع شخص غم کو ذہن سے جھٹک کر رنج والم کو طبیعت پر حاوی نہیں ہونے دیتا ہے اور اگر رنج والم بجلی کی مانند ہی آزاد مزاجوں پر ٹوٹ پڑے تو بھی وہ اس سے اپنا کام تو نکال ہی لیتے ہیں۔ وہ اپنے ماتم خانے کو اس سے روشن کر کے تاریکی دور کر لیتے ہیں۔ یہاں پر مقرر نے حوالے کے طور پر فانی بدایونی کا یہ شعر نقل کیا ہے:

میری ہوس کو عیش دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دکھا ہوا!!!

گویا اگر اپنا دل ہی دکھا ہوا ہو تو دوسروں کا رنج والم بھی خود اپنا دکھ درد محسوس ہوتا ہے۔ لیکن غالب کا احساس اس دردناک صورت حال کے آگے بھی سپر نہیں ڈالتا، سیاہی اور اندھیرے کو مقدر مان کر اس پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اپنے دل کو سمجھا لیتا ہے کہ

ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

غالب کے مطابق وہ آزاد طبع کیسا ہے جو اس راز کو نہ سمجھ سکے کہ زندگی ایک کے بعد ایک دکھ اور حادثے سے عبارت ہے۔ حالانکہ زندگی کے تاریک ماتم خانے میں بھی کبھی مسرت کی کرن چمک اٹھتی ہے جسے ہم مستقل خوشی نہیں مانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے احساس محرومی کو اور زیادہ گہرا اور کرب کو زیادہ شدید کرنے کے لئے ادھر آگئی ہے تاکہ ہمارے دلوں میں ارمانوں کی کسک مدھم نہ پڑنے پائے۔ انتہائی غم والم کی اس کیفیت میں بھی ایک پہلو تسکین کا نکال لینا غالب کا ہی کام ہے اور یہی وہ ہنر ہے جو انہیں سبھی شاعروں میں ممتاز کرتا ہے۔ میرؔ نے کیا خوب کہا ہے

مرے سلیقے سے مری نبھی محبت میں

تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا!!!

ان ناکامیوں سے کام لینے کا ہنر غالب کے یہاں بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہ زندگی کے پیچ وخم اور نشیب و فراز سے شکست آزردہ نہیں ہوتے۔ وہ زندگی کی تلخیوں، ناکامیوں، نامرادویں اور شکست آرزو کے ساتھ اندیشوں اور عذاب زیست کے پہلو بہ پہلو مسرت وارمان کی کیفیت سے لذت اندوز ہونے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور غالب کی یہی خوبی انہیں دوسو سال سے زیادہ عرصہ گذر جانے کے باوجود زندہ رکھے ہوئے ہے۔

پروفیسر محمد حسن نے اس تقریر میں غالب کے مسرت و ناکامیوں کے درمیان زندگی گذارنے کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو ان کے بیشتر اشعار میں نمایاں ہے۔

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے

"غالب بصد انداز" سلسلے کے تحت اس مصرع کو عنوان بنا کر کلام غالب کا جائزہ لیا گیا۔ اس تقریر میں مقرر نے غالب کے یہاں فکر و تصورات اور اثر آفریں صورت حال کو اس کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

غالب بے پناہ موثرات کے شاعر تھے۔ ان کے دیوان میں ان کے موثرات کی بے کراں کیفیات کا دل نشیں مرکب موجود ہے۔ ان کے اشعار جس کثرت سے مختلف کیفیات کے ترجمان بن کر سامنے آتے ہیں وہ کسی ادبی اعجاز سے کم نہیں۔ یہ اشعار قاری اور سامع کے لئے الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں۔ غالب کے یہاں انتہاؤں کا ذکر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ ان کے افکار محض شاعرانہ بیان نہیں بلکہ مشاہدات کی تفسیر ہیں جو فکر و جذبے سے ہم آہنگ ہو کر خلاؤں کو سرنگوں کرتی ہے۔

عرش کے پرے ہو تا کاش کہ مکاں اپنا

غالب کے یہاں زندگی کا ایک مثبت تصور موجود ہے۔ ان کے یہاں حسن کے ہزار رنگ اور بے شمار پیکر دعوت نگاہ دیتے ہیں۔ گویا غالب کے اشعار تصور جاناں کی امان میں عرصہ حیات کو گذار دینے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ ہندستان میں ہندی اور انگریزی تراجم کے توسط سے غالب اب ہماری ثقافتی سوچ کا حصہ بن گئے ہیں اور آج ان کے اشعار کثرت سے ہر جگہ استعمال کئے جارہے ہیں۔

پروفیسر عبدالحق نے اس تقریر میں غالب کے اشعار کی معنویت اور ان کے مشاہدات کا ذکر کیا ہے۔

نقوش آگہی :

یوں تو اردو سروس کے پروگراموں کے تحت مختلف موضوعات پر تقریریں نشر کی جاتی ہیں۔ لیکن اس پروگرام کے تحت دوسری زبانوں کی قدیم و جدید کتابوں اور ان کے موضوعات سے سامعین کو روشناس کرایا جاتا ہے۔ اس سلسلے کے تحت مشہور کتابوں پر تفصیلی اور تجزیاتی تقریر نشر کی جاتی ہے۔

اسی سلسلے کے تحت مشہور ماہر ابلاغیات اور سماجی مفکر، مارشل میکلوہن کی کتاب "انڈر اسٹینڈنگ میڈیا (Understanding Media) پر ایک تقریر نشر ہوئی۔ یہ بات واضح رہے کہ میڈیا کو یوں تو بہت سے لوگوں نے اپنا موضوع بحث بنایا لیکن مارشل کی تھیوری (Medium is

(the Message یعنی وسیلہ ہی پیغام ہے، کی بنیادوں پر ہی میڈیا کی تحقیق کا کام آگے بڑھا۔

مارشل کے مطابق کسی بھی پیغام کو نشر کرنے کا وسیلہ ہی اس کی اہمیت اور قدر و منزلت معین کرتا ہے۔ اگر کسی بہت ہی اہم پیغام کو بھی کسی ایسے وسیلے سے نشر کیا جائے جو اس کے لئے مناسب نہیں ہے تو سننے والے کے لئے اس پیغام کی وہ اہمیت برقرار نہیں رہے گی جو پیغام رساں کے نزدیک تھی۔ آج میڈیا کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج ہمارا پورا معاشرہ ایک اطلاعاتی اور معلوماتی معاشرے میں تبدیل ہو چکا ہے اور علم و دانش کا دائرہ مخصوص افراد تک محدود نہ رہ کر عوام الناس تک پہنچ گیا ہے۔ آج ہر شخص کی سوچ و فکر کا دائرہ کافی وسیع ہے۔

مارشل نے پہلی بار میڈیم کو دو طبقوں میں تقسیم کیا اور بتایا کہ یہ سرد اور گرم دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ گرم میڈیم وہ ہے جو انسان کے کسی ایک حواس خمسہ پر اثر انداز ہوتا ہے اور ریڈیو چونکہ صرف سنا جاسکتا ہے اس لئے وہ گرم میڈیم ہے جبکہ ٹیلی ویژن سمعی اور بصری دونوں ہونے کی وجہ سے انسان کے دو حواسوں پر بہ یک وقت اثر انداز ہوتا ہے، اس لئے یہ سرد میڈیم ہے۔ میڈیا کے بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے اس نے کتابوں اور پریس کے بارے میں بتایا کہ یہ دونوں ہی داخلی کہانی بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ کتاب مصنف کے ذہنی اختراعات کی داستان ہے اور پریس معاشرے کے اعمال و افعال کی کہانی بیان کرتا ہے۔

مارشل نے اپنے نئے اصول کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ میڈیا کے مالکان عوام کے سامنے ایسی چیزیں ہی پیش کرتے ہیں جنہیں عوام پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی طاقت پیغام یا پروگرام کے بجائے اس میڈیم میں پنہاں ہے جس کے ذریعہ پروگرام نشر کئے جارہے ہیں۔

مارشل نے ریڈیو کو طاقتور میڈیم بتایا جو سامعین کو براہ راست اور موثر انداز میں متاثر کرتا ہے اور یہ مقرر اور سامعین کے درمیان ایک قسم کا نجی رشتہ قائم کردیتا ہے۔ ہٹلر کا سیاسی وجود ریڈیو کا ہی مرہون منت ہے۔ ریڈیو کا ٹیلی ویژن سے موازنہ کرتے ہوئے مارشل نے لکھا ہے کہ ٹیلی ویژن کی بدلت ریڈیو تفریح کے بجائے معلومات اور اطلاعات کا اہم ذریعہ ہے۔

اس کتاب میں جہاں ایک طرف مارشل نے مواصلات اور اطلاعات کی اہمیت اور اس کے وسائل پر تفصیلی بحث کی ہے وہیں دوسری طرف اس نے سماجیات کے مختلف اصولوں کا بھی ذکر کیا

ہے۔ اس نے تخلیقیت، ہاؤسنگ، سرمایہ کاری، فلم، ٹیلی گراف، ٹیلی فون، ٹائپ رائٹر، اسلحہ سازی اور فوٹوگرافی سے لے کر ہوائی جہازو دیگر موضوعات پر بھی اپنی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ گویا یہ کتاب نہ صرف میڈیا کے موضوعات بلکہ دیگر متعلقہ موضوعات پر بھی ایک تفصیلی بحث ہے۔

مقرر نے اپنی تقریر میں اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ :

"مباحث کی تازہ کاری اور مقدمات و نتائج کی تدوین میں ندرت کے باعث یہ ہمیشہ اپنی معنویت اور ندرت برقرار رکھے گی۔"

مقرر نے گویا اس کتاب پر ایک سیر حاصل تقریر تو کی لیکن مارشل کی تھیوری کو پوری طرح بیان نہیں کر پائے۔ وہ سامعین جنہوں نے اس کتاب سے متعلق کچھ نہیں سنا تھا ان کے لئے اس تقریر سے کوئی خاص معلومات اخذ کرنا مشکل تھا۔ زبان اگرچہ اردو استعمال کی گئی لیکن انگریزی کے چند جملے بھی مارشل کی کتاب سے شامل کئے گئے تھے۔

"نقوش آگہی" کے اسی سلسلے کے تحت ایک اہم تقریر انگریزی کے مشہور ڈرامہ نگار ولیم شیکسپئر کی تخلیق "A Mid Summer Night`s Dream" پر نشر کی گئی۔ شیکسپئر اپنے وقت کا ایک عظیم فنکار تھا جس کی عالمی مقبولیت کا راز اس کے وہ مشہور ڈرامے ہیں جو آج بھی دنیا بھر میں اسٹیج کئے جارہے ہیں۔ شیکسپئر کے ڈراموں نے نہ صرف انگریزی ادب کو مالا مال کیا بلکہ دیگر زبانوں کے ڈرامائی ادب کو بھی بے حد متاثر کیا۔

مقرر نے شیکسپئر کی عظمت کا ذکر ان لفظوں میں کیا کہ "ولیم شیکسپئر واقعی ایک زبردست تخلیقی جینئس (Genius) عظیم فنکار تھا۔"

برطانیہ میں بادشاہت عرصہ دراز سے اپنی تمام تزک و احتشام کے ساتھ قائم ہے اور وہاں اسٹیج ڈراموں کو ملکہ عالیہ اور معززین شہر کے علاوہ دیگر عام شہری بھی دیکھا کرتے تھے۔ پابندی وقت اور حفظ مراتب کا خیال رکھنا بھی ڈرامہ نگار کے لئے لازمی تھا۔ ساتھ ہی ڈرامہ کے کرداروں اور فنکاروں کی شخصیت اور انا کا لحاظ رکھنا، مافوق الفطری عناصر کی شمولیت کے باوجود اس بات کا خیال رکھنا کہ اس کی کہانی ہر طبقے کو قابل قیاس، فطری اور پر مزہ لگے۔ ان تمام شرائط کے باوجود اگر کوئی فرمائشی پروگرام ایک لازوال تخلیقی فن پارہ بن جائے تو فنکار کی عظمت کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔

شیکسپئر کا یہ ڈرامہ ایک دلچسپ عشقیہ داستان ہے۔ اس میں ملک یونان کے اس دور کی عکاسی کی گئی ہے جب وہاں سماجی تبدیلی کا عمل شروع ہوا تھا۔ اسی لئے اس ڈرامے کا بنیادی موضوع ایک لڑکی کا اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کے حق پر مبنی ہے۔ یہ مسئلہ اٹھایا گیا ہے کہ کیا کسی لڑکی کو اپنی پسند کی شادی کرنے کا حق ہے یا وہ اپنے والدین کے ذریعہ کئے گئے اپنی زندگی کے فیصلے کو قبول کرے۔ سماج جہاں ایک طرف باپ کو خدا کا درجہ دے کر اسے سارے حقوق کا مالک بتاتا ہے وہیں دوسری طرف نوجوان نسل اپنی مرضی کی مالک دکھائی دیتی ہے۔ اس ڈرامے میں کچھ اسی قسم کی کہانی دکھائی گئی ہے جہاں ایک لڑکی اپنے باپ کی ناراضگی کے باوجود اپنی پسند سے شادی کر لیتی ہے۔ بادشاہ وقت بھی عشق میں گرفتار نظر آتا ہے۔ پریوں کی ملکہ کے ایک ہندوستانی راجہ کے بیٹے سے محبت کی داستان بھی دکھائی گئی ہے۔ مافوق الفطری عناصر بھی آپسی رسہ کشی اور عشقیہ رقابت کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ اس میں ایک ایسے پھول کا بھی ذکر ہے جس کا جادوئی عرق کسی کے بھی دل میں محبت کا طوفان برپا کر دیتا ہے۔ اسی جادوئی عرق کے زیر اثر ایک خوبصورت لڑکی ایک گدھے پر عاشق ہو جاتی ہے۔ دیگر کئی لوگ بھی اس کے زیر اثر ایک دوسرے پر عاشق ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر فریفتہ ہو کر دیوانہ وار بھاگتے نظر آتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن بروقت پریوں کا بادشاہ اپنی انسان دوستی کا ثبوت دے کر صورتحال کو قابو میں کر لیتا ہے۔ اس طرح Lord Bacon کے الفاظ میں یہ بات واضح ہو گئی کہ :

"It is impossible to love and to be wise."

کل ملا کر یہ ایک بہترین مزاحیہ ڈرامہ ہے جو ناظرین کو قہقہہ بار کر دیتا ہے۔ شیکسپئر نے اس پورے ڈرامے کو اس خوبی سے ترتیب دیا ہے کہ یہ مزاحیہ ہوتے ہوئے بھی سبق آموز ہے۔

مقرر نے اس تقریر میں اکثر انگریزی کے مکالمے بھی دہرائے ہیں جو کہانی کی ضرورت کے اعتبار سے مناسب نظر آتے ہیں۔

سنگ میل :

اردو سروس کی نشریات کے تحت تاریخی ، سماجی اور ادبی موضوعات پر تقریروں کا ایک سلسلہ "سنگ میل" کے عنوان سے نشر کیا جاتا ہے جس میں ہندوستان کے مختلف اداروں اور مختلف تحریکات کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔ ایسے موضوع کا انتخاب کیا جاتا ہے جو ہمارے تہذیبی اور ادبی ورثے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہو۔ دانشوروں سے ان موضوعات پر کی گئی تقریریں نشر کی جاتی ہیں۔

اس سلسلے کے تحت "تحریک خلافت" کے عنوان سے ایک تقریر نشر کی گئی۔ مقرر نے اس تحریک کی ابتداء سے قبل کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے ان وجوہات کا بھی ذکر کیا ہے جن کے تحت اس تحریک کی ابتداء ہوئی۔ ساتھ ہی اس تحریک کا ہندستان کی تحریک آزادی سے تعلق اور پھر اس تحریک کی ناکامی کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

مہاتما گاندھی نے اپنا ستیہ گرہ اسی تحریک کے تحت شروع کیا تھا، انہوں نے عدم تعاون کی تحریک بھی انگریزوں کے ذریعہ ترکی کے خلیفہ کو معزول کر دینے کی وجہ سے شروع کی۔ مہاتما گاندھی کی سرپرستی میں ہی باقاعدہ طور پر خلافت تحریک کا آغاز ہوا اور دسمبر 1919 عیسوی میں امرتسر میں اس کا پہلا اجلاس مولانا شوکت علی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جنوری 1920 عیسوی میں مہاتما گاندھی نے وائسرائے ہند کو ایک میمورنڈم بھیجا جس میں ترکی حکومت کی بحالی کی مانگ کی گئی تھی لیکن اسی سال اگست میں سیورس کے معاہدے نے قسطنطنیہ کو چھوڑ کر ترکی کے تمام علاقے یوروپی اتحادی ملکوں نے آپس میں تقسیم کر لئے۔ اس طرح سلطنت عثمانیہ محض ترکی کے حدود میں سمٹ کر رہ گئی جس پر برطانیہ کا سیاسی تسلط بھی قائم تھا۔ انگریزوں کے اس رویے کے خلاف ہی عدم تعاون کی تحریک شروع ہوئی۔ انگریزی اشیاء کے استعمال سے گریز کیا گیا، انگریزی کپڑوں کو نذر آتش کیا گیا، خطابات واپس کئے گئے۔ انگریزی تعلیم کے اداروں کا بائیکاٹ کیا گیا اور قومی تعلیمی ادارے قائم ہوئے ۔ یہاں تک کہ غیر مسلم ہندوستانیوں نے بھی انگریزوں کی نوکری سے استعفے دے دئے۔ اس طرح ہندوستان میں پہلی بار قومی تحریک اپنے پورے شباب پر تھی۔

لیکن فروری 1922 عیسوی میں چوری چورا کے قتل کے واقعے کے بعد گاندھی جی نے عدم تعاون کی یہ تحریک واپس لے لی۔ 1924 عیسوی میں مصطفےٰ کمال پاشا نے ترکی میں قومی حکومت قائم کر کے خلافت کو سرے سے ختم کر دیا۔ لیکن علی برادران یعنی محمد علی جوہر اور شوکت علی نے اس تحریک کو جاری رکھا اور 1938 عیسوی میں مولانا شوکت علی کی وفات کے بعد یہ تحریک اختتام پذیر ہوئی۔

مورخین نے محمد علی جوہر اور مہاتما گاندھی کی تنقید کی ہے کہ ایک غیر قومی تحریک کو ان لوگوں نے فروغ دیا جو ہندوستان کے لئے کسی بھی طرح سے مناسب نہیں تھی۔

اس تقریر میں پروفیسر مجیب اشرف نے اس تحریک کا ایک مفصل جائزہ پیش کیا ہے جو سامعین کے لئے دلچسپ اور معلوماتی ہے۔

"سنگ میل" کے سلسلے کے تحت "تھیوسوفیکل سوسائٹی" کے موضوع پر بھی ایک تقریر نشر ہوئی۔ جس میں اس سوسائٹی کے قیام اور اس کے کاموں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی تھی۔

کسی بھی ملک میں جب کوئی نوآبادیاتی نظام قائم ہوتا ہے تو اس کا اثر نہ صرف اقتصادی ہوتا ہے بلکہ وہاں کی مقامی تہذیب و ثقافت کو بھی مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نوآبادیاتی نظام اپنی قبر خود ہی کھودتا ہے۔ اپنے وجود کو ہمیشہ کے لئے مسلط کرنے کی غرض سے وہ ایسے ادارے قائم کرتا ہے جن سے مقامی لوگوں پر گرفت قائم رکھی جائے۔ یہ دیگر بات ہے کہ انہیں اداروں میں موجود تضاد کی وجہ سے مقامی لوگوں کے درمیان ایک ایسا طبقہ پیدا ہو جاتا ہے جو ان نوآبادیاتی نظام کے وجود پر ہی سوالیہ نشان لگاتا ہے۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی کا قیام بھی انہیں تاریخی اور نظریاتی پس منظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس سوسائٹی کا قیام امریکہ میں 1857 عیسوی میں عمل میں آیا۔ میڈیم بلوائسکی اس کی بانی تھیں اور کرنل الکاٹ کے اس میں شامل ہو جانے سے اسے مزید فروغ ملا۔ 1882 عیسوی میں اس کا صدر دفتر امریکہ سے مدراس میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے مسز اینی بسنٹ نے کہا تھا کہ میڈم بلوائسکی اور کرنل الکاٹ کا نظریہ یہ تھا کہ جب تک ہندوستان اپنے قدیم وراثت کو پہچان نہیں لیتا تب تک اس کے لئے قومی وقار کا حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی نے یہ سوال اس وقت اٹھایا جب خود ہندوستان کے اندر چند ادارے مذہب اور ثقافتی علامات کی مدد سے ملک کے اندر سیاسی بے داری پیدا کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس سوسائٹی نے ملک کی آزادی کے لئے کوئی براہ راست نہیں اٹھایا۔ لیکن ہندوستانیوں کے اندر مذہب اور مذہبی احیاء پسندی کے راستے اس نے خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کا ماننا تھا کہ جب بھی ہندستان کو روحانیت سے دور رکھا جائے گا تو وہ دراصل اسے قومیت کے جذبہ سے دور رکھنے کے مترادل ہوگا۔

اپنے خیالات کی ترویج کے لئے اس سوسائٹی نے ملک کے مختلف علاقوں میں نئے ممبر بنانے شروع کئے۔ سبھی مذاہب کے لوگ اس کی طرف مائل ہوئے۔ کرنل الکاٹ کی زیر نگرانی ملک کے مختلف علاقوں میں بوائز ایسوسی ایشن قائم کئے گئے۔ 1907 عیسوی میں مسز اینی بسنٹ کو اس کا صدر مقرر کیا گیا۔ پھر اس سوسائٹی میں ایک نئی جان آگئی اور نئے خیالات کو ترجیح دی جانے لگی۔

مسز اینی بسنٹ نے نوجوانوں کو علاقائیت اور مذہب سے اوپر اٹھ کر ایک نئے ہندستان کے لئے تیار کرنے کی کوشش کی اور انگریزی نظام کے خلاف انہیں متحد کیا۔ نظام تعلیم کو منظم کر کے تکنیکی تعلیم کو بھی فروغ دیا گیا۔ انہوں نے قومی خیالات کی ترویج اپنے رسالوں کی مدد سے مزید تیز کی۔ مقامی زبانوں میں پرچے شائع کر کے قومی آزادی کے سوال کو عوام سے قریب کر دیا گیا۔

لیکن آنے والے برسوں میں گاندھی جی کی قیادت میں چلائی گئی عوامی تحریک کی وجہ سے تھیوسوفیکل سوسائٹی کا وجود مدھم پڑ گیا۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ گاندھی جی کے قومی اور سیاسی سطح پر رونما ہونے سے قبل تک تھیوسوفیکل سوسائٹی اور اس جیسی جماعتوں نے ہی ہندوستانیوں کے دلوں میں خود اعتمادی قائم رکھنے کا کام کیا جس کے بغیر آزادی کی پرجوش تحریک ممکن نہ تھی۔

یہ تقریر ڈاکٹر رضوان قیصر کی تھی جنہوں نے اپنی تقریر میں جگہ جگہ انگریزی کے الفاظ بھی استعمال کئے جو موقع و محل کے اعتبار سے موزوں تھے۔

"سنگ میل" کے تحت دیگر کئی تحریکات مثلاً "ریشمی رومال تحریک، وہابی تحریک" اور "علی گڑھ تحریک" وغیرہ موضوعات پر بھی تقریریں نشر کی گئی ہیں اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔

یہ خلد بریں ارمانوں کی

اردو سروس کے پروگراموں میں اس عنوان کے تحت ایک سیریز نشر کی جاتی ہے۔ جس میں زبان وادب اور تہذیب وثقافت کے تحت تاریخی، دینی اور علمی حیثیت سے معروف مقامات کی تفصیلی جانکاری پیش کی جاتی ہے۔ اس خاص پروگرام کا مقصد دراصل پاکستان و دیگر ملکوں کے سامعین کو ان مقامات اور شہروں کے ماضی سے لے کر اس کی حالیہ صورت حال اور زمانے کے ساتھ ساتھ آئی تبدیلیوں کی تصویر پیش کی جاتی ہے۔ اس پروگرام کا بنیادی مقصد ان لوگوں کی یاد تازہ کرنا ہے جو تقسیم ملک کے بعد پاکستان جاکر بس گئے اور جنہیں آج بھی اپنی آبائی جگہ یاد آتی ہے۔ اس سیریز کے تحت دانشوروں سے ایسے ہی اہم مقامات کے بارے میں تقریریں نشر کرائی جاتی ہیں۔ ایسی ہی ایک تقریر میں "قصبہ یوسف پور" کا بھی ذکر کیا گیا۔

مقرر نے قصبہ یوسف پور کی علمی، ادبی، تاریخی اور سیاسی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ :

"علم وفن اور تہذیب وثقافت کے ایک مرکز کی حیثیت سے یوسف پور کی شہرت کا آفتاب عہد وسطی میں طلوع ہونا شروع ہوا اور بیسویں صدی کے اوائل میں یہ نصف النہار کو پہنچا.... یہ بڑی اہم بات ہے کہ ملک کو انگریزوں کے تسلط سے نجات دلانے کے لئے جتنی بھی ملی اور قومی تحریکیں اٹھیں ان سب میں اہل غازی پور بالخصوص ساکنان یوسف پور ضرور شریک رہے ہیں۔ تحریک سید احمد شہید، تحریک خلافت، ترک موالات، انگریزی مال کا بائیکاٹ یا جیلوں کا بھرنا کوئی ایسا موقع نہیں رہا جس میں یہاں کے لوگ پیش پیش نہیں رہے ہوں۔"

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانیوں میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کا تعلق بھی قصبہ یوسف پور سے ہی تھا۔ مقرر ڈاکٹر ظفر الاسلام نے اس تقریر میں یوسف پور کی ادبی، دینی اور سیاسی خدمات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ جس سے یوسف پور کی مختصر تاریخ کا علم سامعین کو ہو جاتا ہے۔

"اردو سروس" کے تحت ان پروگراموں کے علاوہ "آئینہ، ہندستانی ادب، منزل جمہور" وغیرہ عنوانات کے تحت بھی پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ اردو میں پروگراموں کی سب سے بڑی

نشریات اسی سروس کے تحت کی جاتی ہیں۔

اردو مجلس کے پروگرام

ہندوستان میں ریڈیو کی باقاعدہ نشریات کی ابتداء اردو کے پروگراموں سے ہی ہوئی تھی کیونکہ یکم جنوری 1936 عیسوی میں جب اس کی عوامی نشریات کا آغاز ہوا اس وقت ریڈیو میں ملازمت کرنے والوں میں اردو کے نامور ادیب و شاعر شامل تھے۔ ان میں ایاز انصاری، مجاز، ن۔ م۔ راشد، شاہد احمد دہلوی، کرشن چندر، ڈاکٹر مسعود حسین خاں اور اختر الایمان وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

لیکن آزادی کے بعد حکومت ہند کی پالیسیوں کے تحت اردو کے پروگراموں میں تیزی سے کمی واقع ہوئی اور اس کا اثر سامعین کی تعداد پر بھی پڑا۔ حکومت کی سیاسی چالوں کے تحت مولانا آزاد کی پہلی برسی کے موقع پر 22 فروری 1959 عیسوی کو "اردو مجلس" کی ابتداء ہوئی۔ اس کی ابتداء کی کہانی بھی دلچسپ ہے۔ آکاش وانی میں ریڈیو کشمیر کے لئے پریم ناتھ در، آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی کے عہدے پر فائز تھے۔ ریڈیو کشمیر کے لئے پروگرام ہوا کرو ہاں سے اس کی نشریات کی ذمہ داری ان ہی کی تھی۔ اس لئے پریم ناتھ در نے کوشش کی کہ اردو کے ایسے پروگرام بنائے جائیں جو دہلی مرکز سے نشر ہونے کے ساتھ ساتھ کشمیر سے بھی نشر کئے جا سکیں۔ اس لئے اردو مجلس کا خاکہ پریم ناتھ در نے اپنے مشیر ڈاکٹر عابد حسین کی مدد سے بنایا اور اسطرح اردو مجلس کا وجود عمل میں آیا۔

اس کے تحت ادبی و دیگر موضوعات پر مبنی پروگراموں کی نشریات شروع کی گئیں۔ اس پروگرام کے تحت مختلف موضوعات پر تقریروں کے علاوہ گیت اور نغموں کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اس پروگرام میں کئی ایسی سیریز نشر کی جا چکی ہیں جو سامعین کے درمیان کافی مقبول تھیں۔ مثلاً "سیلانی کی ڈائری" جس میں سماج کی غلط چیزوں پر طنز شامل ہوا کرتا تھا۔ "تبسم اور قہقہے" میں ہلکے پھلکے طنز و مزاح سے سامعین کو محفوظ کیا جاتا تھا۔ "سنگم" کے تحت ہندوستانی ادب سے ایسے ٹکڑے

منتخب کئے جاتے ہیں جو قومی اتحاد اور قومی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہوں۔ ''بزم ادب'' کے تحت ادبی موضوعات پر تقریروں کے ساتھ ساتھ ناقدین کی رائے بھی پیش کی جاتی تھیں۔ ''رفتار زمانہ'' میں سب سے اہم سیاسی مسئلے پر پانچ منٹ کی ایک تقریر نشر کی جاتی تھی۔ آج بھی ان میں سے بہت سے پروگراموں کی نشریات بدستور جاری ہیں۔

''اردو مجلس'' کے پروگراموں کا مقصد دراصل یہ تھا کہ مقامی صلاحیت کو ابھرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ مقامی طور پر ادبی سرگرمیوں سے متعلق سامعین کو باخبر رکھا جائے۔ اسی مقصد کے تحت آج بھی اردو مجلس کے پروگراموں میں مقامی صلاحیت کو ابھارنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہاں ''اردو مجلس'' کے چند منتخب پروگراموں کا تفصیل سے جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

کہکشاں :

یہ پروگرام ہفتے میں ایک بار اردو مجلس کے تحت نشر کیا جاتا ہے۔ اس پروگرام میں مختلف عنوان کے تحت تقریروں کے علاوہ لغت اور نغمے بھی نشر کئے جاتے ہیں۔

''حرف تابندہ'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو ''کہکشاں'' میں شامل ہوا کرتا ہے۔ اس کے تحت سیاسی، سماجی، اخلاقی، تہذیبی، نفسیاتی غرض یہ کہ مختلف موضوعات پر تقریریں نشر کی جاتی ہیں۔ ایسی ہی ایک تقریر میں انسان کی مختلف نفسیات کے موضوع پر ایک تقریر نشر کی گئی۔ جس میں مقرر نے انسانی نفسیات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

انسان کے اندر فطری طور پر دو قسم کی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک کو نفس عمارہ اور دوسرے کو نفس لوامہ کہتے ہیں۔ نفس عمارہ کا مطلب انانیت (Egoism) سے ہے جبکہ نفس لوامہ کا تعلق ضمیر (Conscious) سے ہے۔ جہاں ایک طرف نفس عمارہ کی صفت سرکشی، ظلم اور شر انگیزی ہے وہیں اس کے برعکس نفس لوامہ کی صفت اعتراف، تواضع اور انصاف پسندی ہے۔ یہ دونوں صلاحیتیں ہر شخص میں موجود ہوتی ہیں مگر ابتدائی حالت میں سوئی ہوئی ہوتی ہیں۔ جب کوئی

معاملہ درپیش ہوتا ہے تو ان دو میں سے کوئی ایک بیدار ہو کر عمل پیرا ہوتا ہے۔ درحقیقت ہر شخص کے اندر اس کا خود کا دشمن اور دوست دونوں ہی پوشیدہ ہوتا ہے اور کبھی وہ ایکدوسرے پر غالب آجاتے ہیں۔ کیونکہ ہر انسان اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

برائی کو کبھی برائی سے ختم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بدسلوکی کا جواب اگر بدسلوکی سے دیا جائے تو معاملہ بگڑتا ہے اور نوبت لڑائی جھگڑے کی آجاتی ہے۔ لیکن اگر بدسلوکی کا جواب نیک سلوک سے دیا جائے تو اس سے سامنے والا متاثر ہوتا ہے اور بگڑتی بات بھی بن جاتی ہے۔ کیونکہ جب تیز ہوائیں چلتی ہیں اور طوفان آتے ہیں تو فلک بوس مکانات اور اونچے اونچے درخت بھی ٹوٹ کر زمین بوس ہو جاتے ہیں۔ جب کہ نرم و نازک اور ننھے ننھے پودے اپنا سر جھکائے رکھتے ہیں جس سے تیز رفتار آندھیاں بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ پاتیں اور وہ نرم و نازک پودے بدستور قائم رہتے ہیں۔ یہی حال نرم مزاج اور بااخلاق لوگوں کا ہے کہ غصہ اور تشدد کے حالات میں وہ صبر و تحمل کے ذریعہ خود کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ برائی کے جواب میں برائی مسئلے کو بڑھاتی ہے اور اس سے نفرت اور دشمنی میں بھی اضافہ ہوتا ہے مگر برائی کے جواب میں اگر بھلائی کی جائے تو نفرت اور دشمنی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

کسی بھی انسان کو ایک خارجی مقام عین اسی تناسب کے بقدر ملتا ہے جو اس نے داخلی تعمیر کے اعتبار سے اپنے لئے بنایا ہو۔ اس دنیا میں کسی انسان کو جو مقام ملتا ہے وہ اس بات پر منحصر کرتا ہے کہ وہ داخلی تعمیر اور اندرونی استحکام کے اعتبار سے کس درجے پر ہے۔ صبر و تحمل ہر انسان کے لئے نہایت ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صبر ایک ابدی حکم ہے جس کا تعلق ہر دور اور ہر زمانے سے ہے۔ آدمی کوئی بھی تعمیری کام اسی وقت کر سکتا ہے جب اس کے اندر صبر کا مادہ ہو۔ بے صبری کا انجام کبھی خاطر خواہ نہیں ہوا کرتا ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق کا ذکر کرتے ہوئے مقرر نے کہا کہ پڑوسی کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی ہونے کے ساتھ رشتہ دار بھی ہے۔ دوسرا وہ جس سے ہمسائیگی کا ہی تعلق ہو اور تیسرا وہ جس کا اتفاق سے کبھی کبھی ساتھ ہو جاتا ہے جیسے سفر، دفتر، اسکول و کالج یا تجارت و کاروبار وغیرہ میں۔

ہر پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت مسلم ہے۔ ہر انسان پر اس کے پڑوسیوں کا حق

ہوتا ہے اور اگر رفاقت مستقل ہو تو پھر اس کا حق اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ حسن و سلوک اور تہذیب و شائستگی کا تقاضا یہ ہے کہ پڑوسی کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے مزید یہ کہ اس کی معاشی، اخلاقی غرض یہ کہ ہر طرح سے مدد کی جائے۔ اس کے ساتھ انتہائی شریفانہ رویہ اختیار کیا جائے تاکہ سوسائٹی کا ہر شخص اس یقین کے ساتھ زندگی گذار سکے کہ وہ خیر خواہ لوگوں کے درمیان رہ رہا ہے۔

اقبال عباس عباسی کی اس تقریر میں انسان کی نفسیات کے علاوہ اخلاقی قدروں کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایسے پروگرام سامعین کو اچھا شہری اور نیک طبع انسان بنانے میں کارگر ہیں اور معاشرے میں رائج برائیوں اور ناانصافیوں کو کم کرنے کا کام کر رہے ہیں۔

"کہکشاں" کے تحت ہی "سفر منزلوں کا" کے عنوان سے بھی تقریریں نشر کی جاتی ہیں۔ اس تقریری سلسلے میں ہندوستان میں آزادی کے بعد رونما ہوئی تبدیلیوں کا ذکر ہوتا ہے۔ کیونکہ ہندستان نے آزادی کے بعد زندگی کے ہر شعبے میں خاطر خواہ ترقی کی ہے۔ خواہ زمین سے اناج پیدا کرنے کا معاملہ ہو یا آسمان سے فضائی خبریں لینا ہو۔ اسے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بھی عبور حاصل ہے۔ آج ہندستان ایک خود کفیل ملک ہے۔ اس طرح ہندوستان کی ان تمام ترقیاتی سرگرمیوں کا جائزہ اس پروگرام میں لیا جاتا ہے۔

اسی سلسلے کے تحت خواتین کے مساوی حقوق اور ہندوستان کی اقتصادی صورت حال پر ایک تقریر نشر کی گئی۔ اس میں خواتین کے لئے کئے گئے فلاح و بہبود کے کاموں کا قانون کی روشنی میں جائزہ لیا گیا۔ آج ملک کے قانون میں ایسی تبدیلیاں لانے کی سخت ضرورت ہے جس سے لڑکیوں کو بھی جائداد میں حق دلایا جاسکے تاکہ ان کے ساتھ کیا جانے والا امتیازی سلوک ختم ہو۔

ہندوستان آج ہر میدان میں ترقی کر رہا ہے اور ایک بین الاقوامی جائزے کے مطابق آنے والے سالوں میں ہندستان کی اقتصادی ترقی کی شرح میں کثیر اضافے کے امکانات ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ سرکاری دائرہ کار کے اداروں، بنیادی سہولیات کے شعبوں اور زراعت جیسے اہم شعبوں میں اصلاحات کی رفتار تیز کی جائے اور بد پڑی معیشت کو دوبارہ بحال کیا جائے۔ آج ہندوستان کی اقتصادی ترقی کی شرح تقریباً چھ فی صدی کے قریب ہے جس میں ان اصلاحات سے مزید اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

عائشہ بیگم نے اس تقریر میں فوجی نظام اور سرحدی سڑک انتظامیہ کی کارکردگی پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ دیگر ترقیاتی سرگرمیوں کا بھی مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ تکنیکی اعتبار سے یہ پروگرام نہایت کمزور ہے کیونکہ مختلف موضوعات کے درمیان اس تقریر میں ربط برقرار رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے اور سامعین کو کسی بھی موضوع پر مکمل تفصیل نہیں مل پاتی جس سے تشنگی برقرار رہتی ہے۔

عکس ادب :

اردو مجلس کی نشریات کے تحت اس عنوان سے ہر ہفتے آدھ گھنٹے کا یہ پروگرام نشر کیا جاتا ہے۔ اس پروگرام میں ادبی موضوعات پر تقریروں اور ملاقاتوں کے علاوہ کہانی، افسانے اور کلام شاعر کے تحت کسی شاعر کا کلام شامل کیا جاتا ہے۔ مختلف عنوانات کے تحت اس میں الگ الگ پروگراموں کو بھی نشر کیا جاتا ہے۔

"فکر و فن کے آئینے میں" کے عنوان سے مختلف ادبی موضوعات پر تقریریں نشر کی جاتی ہیں۔ اسی سلسلے کے تحت "اردو ادب میں مزاحیہ کردار" کے عنوان سے ایک تقریر نشر کی گئی۔ جن میں آج کے ماحول میں ان مزاحیہ کرداروں کا جائزہ لیا گیا۔

آج کل زندگی اتنی پیچیدہ اور مصروف ہے کہ آدمی کو روزی روٹی کی فکر ہمیشہ لاحق رہتی ہے۔ اسی مصروفیت میں انسان سنجیدہ ہو کر زندگی کی یکسانیت سے بے زار ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر مزاحیہ تخلیقات اس کی اس سنجیدگی اور بے زاری کو ذرا کم کرتی ہیں۔

اردو کے نثری ادب میں مختلف مزاحیہ کردار ہمیشہ سے نمایاں رہے ہیں جنھوں نے اپنی منفرد انداز و ادا سے آج کے انسانوں کو اس کی مصروف اور پریشان زندگی کے باوجود ہنسنے اور مسکرانے پر مجبور کر دیا ہے۔ اردو ادب میں چند کردار ایسے ہیں جو مزاحیہ ادب میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں میاں خوجی، حاجی بغلول، چچا چھکن وغیرہ کے کردار سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ وہ کردار

ہیں جنہوں نے اپنے دور اور عہد رفتہ کے سماج کی پوری اور مکمل عکاسی کی ہے۔بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ یہ سبھی کردار اپنے عہد کی معاشرتی زندگی کے آئینہ دار ہیں۔

اس طرح اس تقریر میں ان مختلف کرداروں کی اہمیت اور اردو ادب میں ان کے کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ زبان اور تکنیک کے اعتبار سے ان پروگراموں میں کوئی نمایاں کمی نظر نہیں آتی۔

"عکس ادب" کے تحت افسانوں، کہانیوں کے علاوہ غزلیں اور نظمیں بھی نشر کی جاتی ہیں اور ادب کے دیگر اصناف کا بھی وقتاً فوقتاً جائزہ لیا جاتا ہے۔

آبشار غزل :

اردو مجلس کے تحت ہفتہ وار نشر ہونے والے مختلف پروگراموں میں سے "آبشار غزل" بھی ایک ہے۔اس پروگرام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آدھ گھنٹے کے وقفے میں صرف غزلیں ہی نشر ہوا کرتی ہیں۔ مختلف شاعروں کی منتخب غزلوں کو مشہور گلوکار یا گلوکارہ کی آواز میں ریکارڈ کر کے نشر کیا جاتا ہے۔ اکثر ان کے ریکارڈ کئے گئے ٹیپ بھی بجائے جاتے ہیں۔ موسیقی کی دھنوں پر عمدگی سے ریکارڈ کی گئی غزلوں کا ترنم سامعین کو مسحور کر دیتا ہے۔

اردو غزل نے جہاں ایک طرف حسن و عشق کے موضوع کو فروغ دیا وہیں دوسری طرف اس نے انسانی زندگی سے جڑے مسائل کو بھی نمایاں کیا۔ اس طرح غزل انسانی زندگی سے اتنے قریب ہوئی کہ ہر دل کی دھڑکن بن گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ غزلوں کے موضوعات میں بھی تبدیلی آئی۔ اس میں کبھی انقلاب رونما ہوا تو کبھی جذبات کی کہانی پیش کی گئی، کہیں مفلسی دکھائی پڑی تو کہیں مے کشی، کہیں عشق مجازی ہے تو کہیں عشق حقیقی۔ اس طرح غزل انسانی معاملات کی پیکر بنی۔ اسلوب کی ادائیگی نے اسے شیریں بنایا، موسیقی نے اسے گلے سے لگایا اور ترنم نے اسے مزید سجایا۔

غزلوں کا یہ پروگرام ہر ہفتہ آدھ گھنٹے کو نشر کیا جاتا ہے۔ تکنیکی اعتبار سے اس میں کئی خامیاں ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اس میں نہ تو غزلوں کے تخلیق کار کا نام بتایا جاتا ہے اور نہ ہی گلوکار یا گلوکارہ کے بارے میں ہی بتایا جاتا ہے۔ غزلیں بھی یکے بعد دیگرے سلسلہ وار نشر کی جاتی ہیں۔ جس سے سامعین کو ایک طرح کی اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے۔

ان پروگراموں کے علاوہ "اردو مجلس" کے تحت دیگر کئی اور پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ "اردو مجلس" کے پروگراموں سے متعلق خطوط کے جوابات "ہماری محفل" کے تحت دئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ادبی و دیگر موضوعات پر بھی پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔

☆☆☆

ٹیلی ویژن کے اردو اور ہندی پروگراموں کا تجزیہ

روایت پسند ہندوستانی معاشرے کی عکاسی کرنے والے سیریل

ٹیلی ویژن چینلوں میں اضافے کے ساتھ ہی سیریلوں کی تعداد میں بھی تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ ہر طرح کے موضوعات پر سیریل بنائے جانے لگے اور کسی نہ کسی چینل پر ان کی نشریات ہوتی رہیں۔ لیکن جس طرح سیریلوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اسی طرح اس کے موضوعات بھی وسیع ہوئے۔ مزاحیہ سیریلوں نے سب سے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔ دوسرے نمبر پر ایسے سیریل آئے جن میں مرد یا عورت کے ناجائز تعلقات اور خاندانی منافرت کو شامل کیا گیا۔ آج بھی ایسے سیریلوں کی ایک کثیر تعداد ٹیلی ویژن پر موجود ہے۔ لیکن جہاں ایک طرف ایسے سیریلوں کی نشریات جاری رہیں، وہیں دوسری طرف ہندوستانی معاشرے کی سچی عکاسی کرنے والے سیریل بھی نشر ہونے لگے اور ناظرین نے انہیں بھی پسند کیا۔ دوردرشن کے سیریل ''ہم لوگ'' سے شروع ہوا یہ رجحان آج بھی کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے اور آج بھی خاندانی روایات اور انسانی جذبے کی قدر و منزلت کو پیش کرنے والے سیریل دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مختلف چینلوں پر نشر ہو رہے ایسے چند سیریلوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

تیرے میرے سپنے

ٹیلی ویژن کے بیشتر چینلوں پر مزاحیہ سیریلوں کی کثرت اور مقبولیت کے درمیان سنجیدہ موضوعات پر نشر ہونے والے سیریلوں کی مقبولیت کسی کارنامے سے کم نہیں ہے۔ زی ٹی وی پر ''امانت'' کے بعد دوسرے سیریل ''تیرے میرے سپنے'' کو بھی ناظرین نے کافی پسند کیا ہے۔ اس سیریل میں نامساعد حالات کے بھور میں پھنسے ایک خاندان کی جدوجہد کی داستان ہے جس میں ایک ماں کے صبر و تحمل کی مثال پیش کی گئی ہے۔

اس سیریل کی کہانی ایک خاموش اور سنجیدہ مزاج شخص، سومناتھ کے خاندان پر مبنی ہے۔ یہ خاندان کشمیر میں رہتا تھا لیکن وہاں کے نامساعد حالات نے انہیں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا، سومناتھ کول اپنے خاندان کو لے کر ممبئی چلے آئے۔ ان کے گھر میں ان کی بیوی، ساوتری، تین بیٹوں ، کپل، راجیو، اور اگنی کے علاوہ ایک بیٹی، رچنا بھی ہے۔ اس سیریل کی ابتدائی چند قسطوں میں اس خاندان کے کشمیر میں خوشحالی کے دن دکھائے گئے ہیں۔ پھر کشمیر میں حریت پسندوں کی بڑھتی کاروائی کے بعد مجبور ہو کر اس خاندان کو ترک وطن کرنا پڑتا ہے۔ ممبئی جیسے بڑے شہر میں زندگی بالکل مختلف ہے۔ خواہشوں کے ساتھ ضرورتیں بھی بڑھتی جارہی ہیں۔ لیکن تمام پریشانیوں کے باوجود ساوتری نہ صرف کفایت شعاری اور صبر و تحمل سے کام لیتی ہے بلکہ اپنے پورے خاندان کو جوڑ کر رکھنے کی کوشش بھی کرتی ہے۔ وہ ہر کسی کے دکھ سے دکھی اور سکھ میں خوشی کا اظہار کرتی ہے۔

بڑے بیٹے کپل کی شادی ہو چکی ہے اور اس کے دو بچے ہیں۔ لیکن پھر بھی اسے بات بات پر نوکری چھوڑ دینے کی عادت ہے جس کے لئے اس کے پاس کئی بہانے ہیں۔ ساوتری اپنے بیٹے کی اس حرکت سے بھی پریشان رہتی ہے اور اسے برابر سمجھاتی رہتی ہے۔ دوسرا بیٹا راجیو ایک وکیل ہے اور باپ کی ہی طرح سنجیدہ مزاج انسان ہے۔ سوسائٹی میں بارتبہ لوگوں سے اس کے اچھے تعلقات ہیں۔ باپ ماں اس سے بہت خوش ہیں۔ چھوٹا بیٹا، اگنی اپنے نام کی ہی مناسبت سے گرم مزاج ہے۔ سومناتھ کی نظروں میں وہ جتنا چھوٹا ہے اتنا ہی مصیبتیں کھڑی کرنے والا ہے۔ وہ ناانصافی اور بے ایمانی سے سخت نفرت کرتا ہے اور ہر وقت ان کے خلاف لڑنے کو تیار رہتا ہے، جس کی وجہ سے اس نے کئی لوگوں کو اپنا دشمن بنا رکھا ہے۔ پولیس والوں سے بھی اس کا سامنا ہوتا رہتا ہے کیونکہ وہ ظلم کے خلاف طاقت کے استعمال میں یقین رکھتا ہے۔ سومناتھ ہمیشہ اس فکر میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں اگنی کی حرکتوں کی وجہ سے ان لوگوں کو یہ شہر بھی نہ چھوڑنا پڑ جائے۔

ادھر اگنی اپنی پڑھائی کرنے کے ساتھ ساتھ ٹیوشن بھی پڑھاتا ہے تاکہ کسی طرح کچھ خرچ نکالا جاسکے۔ وہ جس لڑکی کو ٹیوشن پڑھاتا ہے وہ لڑکی یعنی پوجا اگنی سے پیار کرنے لگتی ہے، پوجا اس کے جذبات کو اچھی طرح سمجھتی ہے اور اسے اکثر سمجھانے کی کوشش کرتی ہے کہ ہر کام کو جذبات کے تحت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اگنی کبھی تو اس کی بات خاموشی سے سن لیتا ہے اور کبھی اس پر بگڑ جاتا ہے کہ

وہ اس کی کیا لگتی ہے کہ اسے اس طرح نصیحت کرتی ہے۔ اس طرح ان کے آپسی تعلقات بنتے، بگڑتے رہتے ہیں۔

راجیو ایک بزنس مین کے مقدمے کی وکالت کر رہا ہے۔ راجیو کی مدد سے اس کی غصب کی ہوئی زمین اسے واپس مل جاتی ہے۔ اس مقدمے کے سلسلے میں راجیو کئی بار اس کے گھر بھی گیا جہاں اس کی ملاقات بزنس مین کی بیٹی سے ہوئی اور دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگے۔ راجیو کی ماں اس کی شادی کہیں اور کرنا چاہتی ہے کیونکہ وہ ایک مالدار کی بیٹی کو بہو بنا کر لانا نہیں چاہتی۔ اس کے گھر میں وہ آسائشیں مہیا نہیں ہیں جن کی رئیسوں کو عادت ہوتی ہے۔ اس طرح ایک کشمکش کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور مجبوراً ساوتری کو اپنے بیٹے کی خواہش کے آگے جھکنا پڑتا ہے۔

کپل کے بچے گھر والوں کے اداس اور متفکر چہروں پر اپنی حرکتوں اور باتوں سے مسکراہٹ واپس لاتے ہیں۔ دونوں بچے اپنے دادا سے بہت مانوس ہیں اور ہر وقت اسی کے پاس رہنا پسند کرتے ہیں۔ یہ پورا خاندان الگ الگ نظریات کے باوجود مصیبت کے وقت ایک ساتھ ہو جاتا ہے۔ کپل اپنی بیوی کے کہنے پر ماں باپ سے الگ ہونا چاہتا ہے۔ ساوتری کو اس بات سے کافی تکلیف ہوتی ہے لیکن وہ اپنے بیٹے بہو کی خوشی کی وجہ سے خاموش رہ جاتی ہے۔ کہانی مختلف ادوار سے گذرتی رہتی ہے۔ ساوتری کو بیٹی کی شادی کی بھی فکر لاحق ہوتی ہے۔ اس کے لئے بھی رشتے کی تلاش ہوتی ہے۔ اگنی بھی اپنی پڑھائی مکمل کر کے نوکری کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اس طرح اب ہر کردار کی کہانی آہستہ آہستہ سلجھائی جا رہی ہے اور جلد ہی یہ سیریل ختم ہونے والا ہے۔

تکنیکی اعتبار سے یہ سیریل کافی کامیاب ہے کیونکہ ہدایت کار نے اس سیریل کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ ناظرین کے لئے کسی بھی قسط کا چھوڑنا گوارا نہیں۔ ہر قسط میں کہانی کو ایسے مقام پر لا کر ادھورا چھوڑا جاتا ہے تاکہ تجسس برقرار رہے۔ کہیں کہیں بچوں کے سوالیہ مکالمے بھی بڑوں کو سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ساوتری کے کردار کو ایک مثالی ماں کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو ہندوستانی معاشرے میں تقریباً ہر خاندان میں نظر آتی ہے۔ وہ اپنے خاندان کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے جس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اس طرح کے کردار ہمارے معاشرے کے لئے رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سیریل کے سبھی کردار عام انسانوں کی زندگی سے بہت قریب ہیں اور اس کی

کہانی ناظرین کو اپنے ہی خاندان کی کہانی نظر آتی ہے۔

چونکہ یہ سیریل کشمیری خاندان سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ہدایت کار نے کرداروں کے برتاؤ کو زیادہ فطری بنانے کے لئے ان کی آپسی گفتگو میں کشمیری زبان کا بھی بے تکلف استعمال کیا ہے، جو موقع کی مناسبت سے موزوں ہے۔ کہیں کہیں ثقیل ہندی کا بھی استعمال ہوا ہے لیکن مجموعی طور پر اردو ملی جلی زبان ہی حاوی نظر آتی ہے۔ سلیس اردو کے مکالمے بھی اکثر سنائی دیتے ہیں۔ مثلاً "اپنی زندگی سے مایوس ہو جانے والا شخص سماج کے لئے بھی پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔" وغیرہ۔

زی ٹی وی پر نشر ہونے والے اس سیریل کے ہدایت کار اشوک پنڈت ہیں جب کہ کہانیاں و مکالمے لکھنے کا کام بی۔ ایس۔ ویاس نے کیا ہے۔

امانت

آج ٹیلی ویژن چینلوں کی آپسی رسہ کشی کے درمیان ہر چینل مختلف قسم کے پروگراموں کی نشریات کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کوشاں دکھائی دیتا ہے۔ سیریلوں میں مزاح اور جرائم پر مبنی موضوعات عام ہیں۔ لیکن ان حالات میں بھی انسانی جذبات و احساسات، بھائی چارگی اور ہندوستانی روایات پر مبنی سیریل "امانت" کی بے پناہ مقبولیت کافی اہم ہے۔ زی ٹی وی پر نشر ہو رہے اس سیریل میں لاہوری رام اور ان کے خاندان کی کہانی بیان کی گئی ہے۔

لاہوری رام تقسیم ہند سے قبل لاہور میں رہتے تھے جو ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستان آکر بس گئے۔ اپنی بیوی کی وفات کے بعد لاہوری رام نے اپنی بیٹیوں کی پرورش اس طرح کی ہے کہ انہیں اپنی ماں کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ لاہوری رام کے مطابق یہ ساتوں بیٹیاں دوسرے خاندانوں کی امانت ہیں جہاں شادی کے بعد ان سب کو ایک ایک خاندان کو بنانا ہے۔ اس سیریل میں کہانی کا محور بڑی بیٹی، سنتوش کے علاوہ اس کی دو پھوپھی اور ایک نوکر، نگوڑے کے درمیان گھومتا ہے۔ اگرچہ سنتوش کی بہنیں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں۔ دونوں پھوپھی کی عادتیں عجیب و غریب

ہیں وہ ہمیشہ آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی ہیں اور دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانا ان کا معمول ہے۔ نوکر بھی سارا دن ان دونوں سے الجھتا اور دونوں کو آپس میں لڑاتا رہتا ہے۔

لاہوری رام کے پڑوسی احمد میاں ایک درزی ہیں اور دونوں میں بہت گہری دوستی ہے۔ ایک دن سنتوش کو دیکھنے لڑکے والے آتے ہیں لیکن وہ اس کے بجائے دوسرے نمبر کی بیٹی کو پسند کر لیتے ہیں۔ اب مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ بڑی بیٹی کی شادی سے قبل دوسری کی شادی کس طرح کر دی جائے۔ ایسے حالات عام طور پر ہندوستانی خاندانوں میں آئے دن دیکھنے کو ملتے ہیں۔ روزمرہ کی پریشانیوں کو بھی اس سیریل میں خوبی دکھایا گیا ہے۔ گھر کا نوکر خوشی یا غم ہر موقعے پر اپنی حرکتوں سے لوگوں کو خوش کرتا رہتا ہے۔ اسی دوران بڑی بیٹی کی شادی ہوتی ہے اور اس کا سسرالی خاندان بھی اس خاندان سے جڑ کر کہانی میں شامل ہو جاتا ہے۔ سنتوش کا شوہر اس سے خوش نہیں ہے اور دونوں کی آپسی چپقلش کے بعد معاملہ عدالت میں پہنچ جاتا ہے جہاں سنتوش کے حق میں فیصلہ ہوتا ہے۔ سنتوش دوبارہ اپنے سسرال واپس چلی جاتی ہے لیکن وہاں کے حالات بدستور خراب ہیں۔ جس کی وجہ سے لاہوری رام مستقل پریشان ہے۔ ادھر دوسری بیٹی کی شادی کا معاملہ بھی شروع ہوتا ہے۔ گھر میں جہاں ایک طرف خوشی منائی جارہی ہے وہیں دوسری طرف لاہوری رام اپنی بڑی بیٹی کی شادی ناکام ہونے پر افسردہ ہے۔ ان حالات کے درمیان یہ کہانی جاری ہے اور لاہوری رام کے خاندان سے دوسرے خاندان بھی منسلک ہو جاتے ہیں اور ان کی کہانی بھی چلتی رہتی ہے۔

آج کے ہندوستانی معاشرے کی سچی عکاسی کرنے والے اس سیریل میں پنجابی کلچر کا بول بالا ہے۔ لاہوری رام پنجابی ہیں اسلئے ان کے خاندان میں پنجابی رسم ورواج کے ساتھ ساتھ پنجابی لوک گیت بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کی بڑی عمدہ مثال دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس سیریل میں ایک اصول پسند اور مثالی باپ کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی بیٹیوں کا آپسی میل جول، بڑوں کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آنے اور پرانی روایات اور قدروں کی پابندی بھی ناظرین پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ آج ناظرین خواہ کتنے ہی جدید خیالات کے حامی کیوں نہ ہوں لیکن ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ آج کی نوجوان نسل بھی پرانی قدروں کو اپنی زندگی میں شامل کریں۔ "امانت" میں ہلکے پھلکے انداز میں بامقصد چیزوں کو دکھانے سے ناظرین کافی خوش ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے 1998 عیسوی کا سب سے اچھا

سیریل ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔

تکنیکی اعتبار سے یہ سیریل ذرا کمزور ہے۔ کرداروں کی کثرت اور کہانی کے ہر قسط میں زیادہ تبدیل نہ ہونے وکی وجہ سے ناظرین کو کبھی بوریت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ کبھی مکالموں کی طوالت اور مناظر کی یکسانیت بھی اکتاہٹ کا سبب ہوتی ہے۔ زیادہ تر مناظر گھر کے اندر کے ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود ہدایت کار نے ناظرین کی دلچسپی برقرار رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔

جہاں تک زبان کا تعلق ہے، اس سیریل میں پنجابی زبان کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ اردو اور ہندی کے ساتھ انگریزی زبان بھی سننے کو ملتی ہے۔ کچھ مکالمے تو خالصتاً ہندی کے ہیں تو کچھ مکالموں میں سلیس اردو بھی سنائی دیتی ہے۔ دو مکالمے اس امر کی عکاسی کرتے ہیں۔ "پتر، وہ کل سے اس کی کوئی خبر نہیں آئی نا۔ اس لئے یہ دیکھنے جارہا ہوں کہ وہاں سب کشل منگل تو ہے نا" دوسرا مکالمہ۔ "کل تک اس کی زندگی میں ایک مقصد تھا اور آج وہ بنا مقصد کے یہاں موجود رہے۔ کل تک اس کا میرے جیسا ہمدرد تھا لیکن آج اسے میرا سایہ بھی نصیب نہیں"

نقش لائل پوری کے لکھے اس کے عنوان نغمہ (Title Song) کے چند ٹکڑے پیش ہیں۔

"چوڑی کیسے نہ بولے، چپ کیسے رہے
تیرے ہاتھوں کی مہندی ہم سے کہے
تو جس کی امانت ہے ہو
وہ ساتھ تجھے لے جائے گا
سکھیاں بھی روک نہ پائیں گی
بابل بھی روک نہ پائے گا...."

میر منیر کی کہانیوں پر مبنی اس سیریل کے ہدایت کار سنجیو بھٹاچاریہ ہیں۔

ادھیکار (اور شمع جلتی رہی)

"اور شمع جلتی رہی" کے عنوان سے جب یہ سیریل شروع کیا گیا تو ناظرین کے درمیان شکوک و شبہات کی سی کیفیت تھی۔ یہ سوال اٹھایا گیا کہ کیا یہ بھی "حنا" اور "پاکیزہ" کی ہی طرح ایک روایتی مسلم خاندان کی عکاسی کرتا ہے اور اسی وجہ سے ناظرین کی مجموعی تعداد نہایت مختصر رہی لیکن اس کی نشریات جاری رہیں۔ کچھ قسطوں کے بعد اچانک ہی اس کی نشریات روک دی گئیں اور پھر بعد میں زی ٹی وی والوں نے اس کا نام بدلنے کا اعلان کیا۔ جو ناظرین اسے دیکھتے تھے انہیں خدشہ ہوا کہ ایک اچھے سیریل کو ختم کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہوا اور اس کی نشریات "ادھیکار" کے عنوان کے تحت دوبارہ شروع ہوئیں۔ نام کی تبدیلی کے ساتھ ہی ناظرین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا اور ان لوگوں نے بھی دیکھنا شروع کیا جو پہلے محض ایک مسلم خاندان کی کہانی سمجھ کر اسے دیکھنے سے گریز کر رہے تھے۔

اس سیریل کی ابتداء ایک نواب صاحب سے ہوتی ہے جو راجا صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی شادی کو بیس برس ہو چکے ہیں لیکن ان کی بیگم کی گود اب تک خالی ہے پھر بھی وہ اپنی بیگم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ انہیں اپنے ایک وارث کی بہت تمنا ہے اور لوگوں کے مشورے کے بعد نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنا طبی معائنہ کراتے ہیں۔ نواب صاحب کی بیگم کا بھائی سازش کر کے ان کی رپورٹ تبدیل کرا دیتا ہے اور انہیں بتایا جاتا ہے کہ وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ وہ نواب صاحب کو دوسری شادی کرنے سے روکنا چاہتا ہے تاکہ ان کی موت کے بعد ساری جائداد ان کی بیگم کے پاس رہے اور بھائی ہونے کی حیثیت سے وہ ان کا استعمال کرے۔ نواب صاحب اس کی سازشوں کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن ہمیشہ وارث نہ ہونے کے غم میں مبتلا رہتے ہیں۔

ایک دن اچانک ان کے خیالات میں تبدیلی آتی ہے اور وہ اپنے منشی کی چھوٹی بیٹی شمع سے شادی کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ ان کی بیگم کا سازشی بھائی اس شادی کو روکنے کی اپنی تمام تر کوششوں میں ناکام ہو جاتا ہے اور نواب صاحب کی دوسری شادی ہو جاتی ہے۔ شمع ایک غریب خاندان کی لڑکی ہے۔ اس کی بڑی بہن زبیدہ کی شادی بھی ناکام رہی ہے اور وہ بھی طلاق شدہ گھر پر موجود ہے۔ ایسی

صورت حال میں شمع کی شادی نواب صاحب سے ہوتی ہے۔ شمع کی کالج کی پڑھائی ادھوری رہ گئی ہے اور وہ اسے مکمل کرنا چاہتی ہے۔ نواب صاحب اس کی اجازت دے دیتے ہیں اور اس کی دوست امیتا بھی شمع کی مدد کرتی ہے۔

چند قسطوں میں امیتا کی کہانی بھی دکھائی گئی ہے۔ وہ ایک رئیس باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ہمیشہ اپنے حقوق کی خاطر کسی سے بھی لڑنے کو تیار رہتی ہے۔ امیتا کی شادی ہوتی ہے لیکن اس کو شوہر کی عائد کردہ پابندیاں بالکل پسند نہیں۔ چھوٹے چھوٹے مسئلے کو لے کر دونوں میں تکرار ہوتی رہتی ہے۔ گھریلو جھگڑے بڑھ جانے سے دونوں کے آپسی تعلقات بگڑتے چلے جاتے ہیں اور بالآخر ایک دن امیتا اپنے شوہر سے طلاق لے کر اپنے باپ کے پاس واپس آجاتی ہے۔

ادھر ایک دن اچانک نواب صاحب کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ شمع کو شدید صدمہ پہنچتا ہے ۔اس طرح نواب صاحب کی پہلی بیگم کو موقع مل جاتا ہے اور اپنے بھائی کی مدد سے وہ شمع کو گھر سے نکال دیتی ہیں۔ اتنا ہی نہیں اسے تمام جائداد اور دولت سے بھی بے دخل کر دیتی ہیں۔ شمع اپنے باپ کے گھر آتی ہے اور کچھ مہینوں بعد ایک بیٹے کو جنم دیتی ہے۔ وہ شدید غم میں مبتلا ہے کہ نواب صاحب ساری زندگی اپنے وارث کو تڑپتے رہے اور جب ان کی جائداد کا وارث پیدا ہوا تو نواب صاحب اس کی شکل دیکھنے کو بھی زندہ نہ رہے اور ان کے بیٹے کو دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہونا پڑا۔ اب شمع اپنا حق حاصل کرنے کے لئے عدالت میں جاتی ہے جہاں امیتا اس کی مدد کرتی ہے۔

دوسری طرف شمع کی بڑی بہن زبیدہ ایک ترقی پسند شاعر کے کلام سے متاثر ہے اور اسے دل سے چاہنے لگی ہے۔ اتفاقاً دونوں کی ملاقات ہوتی ہے اور پھر زبیدہ اس شاعر سے شادی کر لیتی ہے۔ اب زبیدہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ سماج سدھار کے کاموں میں لگ جاتی ہے اور دونوں مل کر شمع کی مدد کرنے کی ٹھان لیتے ہیں تاکہ اس کا حق دلایا جا سکے۔

ادھر شمع کا معاملہ عدالت میں ہے۔ ساتھ ہی وہ خود بھی قانون کی پڑھائی کر رہی ہے تاکہ عدالت میں خود اپنی وکالت کر سکے۔ عدالت میں مقدمے کی سماعت کے دوران وہ دیکھتی ہے کہ مخالف پارٹی کی طرف سے مقدمے کی وکالت کے لئے خالد نامی وکیل موجود ہے۔ خالد اس کا کالج کا دوست ہے جس سے وہ محبت کرتی تھی لیکن نواب صاحب کی ضد کے سامنے اس کے والد نے اس کی

شادی نواب صاحب سے کر دی تھی۔ خالد شمع کو برقع میں ہونے کی وجہ سے پہچان نہیں پاتا ہے۔ عدالت میں بحث و مباحثے کے بعد فیصلہ ہوتا ہے اور شمع یہ مقدمہ ہار جاتی ہے۔ جب شمع اپنا نقاب ہٹا کر خالد کو مخاطب کرتی ہے کہ وہ یہ مقدمہ دوبارہ لڑے گی اور اپنا حق حاصل کر کے رہے گی تو خالد شمع کی شکل دیکھتے ہی بد حواس ہو جاتا ہے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کہ جسے وہ زندگی بھر چاہتا رہا انجانے میں اسے ہی نقصان پہنچا بیٹھا۔ وہ اپنی غلطی کے مداوے اور شمع کو اس کا حق دلانے کی خاطر سچائی کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ وہ ساری سچائی جان کر شمع کا مقدمہ دوبارہ شروع کرنے کی درخواست دیتا ہے۔ اسی دوران اس کی ملاقات اس کے سرپرست وکیل کی بیٹی سے ہوتی ہے۔ دونوں کی اکثر ملاقاتیں ہوتی ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آجاتے ہیں لیکن خالد بار بار شمع کو یاد کرتا رہتا ہے۔

اس سیریل میں مسلم سماج سے جڑے مسائل اور ان کے بدلتے ہوئے حالات کو تفصیل سے دکھایا گیا ہے اور اس بات پر بالخصوص زور ڈالا گیا ہے کہ مسلمانوں میں تعلیم کی کمی کی وجہ سے انہیں چھوٹی چھوٹی غلطیوں کا بڑا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ ایک خاندان میں آپسی تنازعات اور دوسروں کو زیر کرنے کی کوششوں میں پورے سماج اور فرقے کو ہو رہے نقصانات کا معاملہ بھی اٹھایا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس سیریل میں خلیجی ممالک میں نوکری دلانے کے نام پر ہو رہی دھوکہ بازیوں اور اس سے مسلمانوں کو ہو رہے نقصانات کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

مسلم معاشرے کی صورت حال پر مبنی یہ سیریل تکنیکی اعتبار سے ذرا کمزور ہے۔ ہدایت کار نے کہیں کہیں پر مسلمانوں میں آپسی تنازعات کو کافی بڑھا چڑھا کر دکھانے کی کوشش کی ہے جو سچائی سے پرے ہے۔ انسانیت کے معاملے میں کسی کو بہت شریف تو کسی کے شاطرانہ دماغ کی تخریب کو بہت زیادہ بڑھا کر دکھایا گیا ہے جو ہدایت کار کی کمزوری کا واضح ثبوت ہیں۔ بہر حال یہ سیریل اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہے جس میں نہ صرف مسلم معاشرے کی خرابیوں کی نشاندہی کی گئی ہے بلکہ ہندو مسلم تعلقات کی مثبت عکاسی بھی کی گئی ہے۔

اس سیریل میں اردو کے مکالمے سب سے زیادہ ہیں۔ زیبدہ سے دکنی اردو کے مکالمے سننے کو ملتے ہیں جو نہایت سلیس اور شائستہ جملے بولتی ہے۔ ترقی پسند شاعر بھی اردو میں انقلابی شاعری کرتا

ہے۔ نواب صاحب بھی شائستہ زبان بولتے دکھائی دیتے ہیں۔ بقیہ کرداروں نے بھی اردو کے مکالمے خوبصورتی سے ادا کئے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں کرداروں کی مناسبت سے ہندی اور انگریزی کے جملے بھی سنائی دیتے ہیں جو موزوں اور مناسب نظر آتے ہیں۔

زی ٹی وی پر نشر ہو رہے اس سیریل کی کہانیاں ریوتی شرن شرما نے لکھی ہیں جب کہ ہدایت کار کے فرائض لیکھ ٹنڈن نے ادا کئے ہیں۔

مزاحیہ سیریلوں کا بڑھتا رجحان

انسانی زندگی پریشانیوں اور مشکلات سے گھری ہوئی ہے۔ دوڑ بھاگ کی اس زندگی میں خوشیوں کے دو پل بھی تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ ایسی حالت میں ٹیلی ویژن پر مزاحیہ سیریلوں کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اس بات کی غماز ہے کہ انسان خوشیوں کے چند پل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ٹیلی ویژن پر بیشتر سیریل ناظرین کو گدگدانے اور ہنسانے کی کوشش کرتے نظر آرہے ہیں۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی ایسے سیریل ناظرین کو ہنسا کر ان کی زندگی میں خوشیاں بکھیرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ اس کا جواب منفی اور مثبت دونوں صورتوں میں ملتا ہے۔ کچھ سیریل تو واقعی ناظرین کے غم کو ہلکا کر رہے ہیں۔ اگر مزاحیہ سیریلوں کی تاریخ میں جھانکیں تو پتہ چلے گا کہ دوردرشن کے اولین سیریل "یہ جو ہے زندگی" نے اس سلسلے کی بنیاد رکھی اور آج بھی مختلف مزاحیہ سیریلوں میں اس کی جھلک نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔

دور حاضر میں تقریباً ہر چینل زیادہ سے زیادہ مزاحیہ سیریلوں کو نشر کرنے کی کوشش میں ہے اور آپسی مقابلہ آرائی بھی جاری ہے۔ جہاں ایک طرف "یہ جو ہے زندگی" سے شروع ہوا سلسلہ "پی اے صاحب، شریمان شریمتی، تو تو میں میں،، ادھر ادھر، دیکھ بھائی دیکھ، پڑوسن، فلمی چکر، ہم پانچ، مسز مادھوری دکشت، حد کر دی، مونگیری کے بھائی نورنگی لعل، واگلے کی دنیا، دال میں کالا،

گدگدی، گھر جمائی، دو اور دو پانچ، ولایتی بابو، زبان سنبھال کے، دم دما دم، گھر جمائی، چشم بد دور" وغیرہ میں کامیابی سے جاری ہے اور ہر روز یہ فہرست طویل ہوتی جا رہی ہے۔ جہاں ایک طرف معیاری سیریلوں کی تعداد ہے وہیں دوسری طرف پھوہڑ اور سستے قسم کے مزاح کی بھی کوئی کمی نہیں ہے جن میں اکثر دو معنی کے جملے مکالموں میں شامل ہوتے ہیں۔ بھدے مذاق اور نامناسب اشاروں کو بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ ننگے پن، گلیمرس سین اور ذو معنی جملوں کی تکنیک پر کچھ سیریل آج تیزی سے ترقی کر رہے ہیں لیکن ایسے سیریل کی طرف سے ناظرین جلد ہی منہ موڑ لیتے ہیں۔

کچھ مزاحیہ سیریل تو کئی سالوں سے باقاعدہ نشر ہو رہے ہیں اور آج بھی ناظرین کے درمیان کافی مقبول ہیں۔ ان میں "شریمان شریمتی، تو تو میں میں" اور "ہم پانچ" قابل ذکر ہیں۔ مزاحیہ سیریلوں کے سلسلے میں "تو تو میں میں" کے ہدایت کار سچن کا کہنا ہے کہ :

"مختلف چینلوں پر اتنے سٹ کام (مزاحیہ سیریل) نشر ہو رہے ہیں اور اگر مزاحیہ سیریلوں کو مقبول بنانا ہو تو مزاح کو سنجیدگی سے لینا چاہئے، جبراً ٹھونسنا اچھا نہیں ۔ ناظرین کو زبردستی ہنسانے کی کوشش ہرگز نہ کریں۔ انہیں جب کوئی بات مزاح کی لگے گی وہ خود ہنس پڑیں گے۔ بھونڈے مذاق اور الٹی سیدھی حرکتیں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی ہیں"۔ (یگ شری ٹیلی ویژن، جولائی 1998، صفحہ 54)

آج کچھ مزاحیہ سیریل ہماری زندگی کے روز مرہ کے مسائل کو بھی پیش کر رہے ہیں اور ناظرین کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہیں۔ آگے کے صفحات میں کچھ منتخب سیریلوں کے تفصیلی جائزے پیش کئے جا رہے ہیں۔ جن سے ان کے موضوعات کے علاوہ ان کی تکنیک اور زبان کا بھی خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اِدھر اُدھر

یہ وہ سیریل ہے جو آج سے چودہ سال قبل 1985 عیسوی میں دوردرشن پر نشر ہوا کرتا تھا۔

اس زمانے میں ہندوستان میں ٹیلی ویژن کے نام پر صرف دوردرشن کا ایک چینل موجود تھا۔ اس وقت اس سیریل نے ہر گھر میں اپنی موجودگی کا احساس کرایا تھا اور اس کے سبھی کردار کافی مقبول ہوئے تھے لیکن تیرہ قسطوں کے بعد اس کی نشریات بند کر دی گئی تھیں۔ اس کے بعد اسے دوبارہ شروع کرنے کی مستقل مانگ کی جارہی تھی کیونکہ ناظرین کو اس کے موضوعات اور کرداروں سے لگاؤ سا ہو گیا تھا۔ ناظرین کی مستقل مانگ کے مد نظر ہی اسے 1998 عیسوی میں دوبارہ سے نشر کیا جانے لگا۔ پہلے اس کی پرانی تیرہ قسطیں ہی دکھائی گئیں اور اس کے بعد نیا سلسلہ شروع ہوا۔ چودہ سال کے وقفے میں کرداروں میں بھی نمایاں تبدیلی رونما ہوئی لیکن سبھی کردار پرانے ہی رکھے گئے اور کہانی کو گذشتہ سے پیوستہ کرنے کی کوشش بھی کامیاب ثابت ہوئی۔

اس سیریل میں سنیتا، ایک پیاری سی بہت ہی ملنسار لڑکی ہے جو ایک ایئر ہوسٹس ہے جہاں ایک طرف وہ چنچل اور ذہین ہے وہیں دوسری طرف تھوڑی سنکی بھی ہے جو پینگ گیسٹ (Pay-ing Guest) کے طور پر پونم نام کی ایک لڑکی کے ساتھ رہتی ہے جو ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں کام کرتی ہے۔ گھریلو کام کاج کے سلسلے میں روزانہ ایک دوسرے سے الجھنے کے بعد دونوں مل کر ایک مرد کو بھی پینگ گیسٹ کے بطور رکھ لیتی ہیں۔ جس سے کرایہ نہ لے کر وہ اسے گھریلو کام کاج کرنے کو کہتی ہیں۔ اس طرح گھر کی صفائی، برتن دھونے و دیگر گھریلو کام کاج میں الجھا یہ شخص مختلف حالات سے گذرتے ہوئے کافی مضحکہ خیز نظر آتا ہے۔

پرانی تیرہ قسطوں کے بعد ان دونوں لڑکیوں کو شادی شدہ اور دو دو بچوں کی ماں کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ دونوں اب زندگی کے میدان میں کافی آگے بڑھ چکی ہیں۔ دونوں اچھی نوکری کرتی ہیں اور دونوں کا کا تبادلہ ممبئی میں ہو جاتا ہے جہاں دونوں کی ملاقات ہوتی ہے اور تھوری ہچکچاہٹ کے بعد دونوں ایک ہی فلیٹ میں رہنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔ اب دوبارہ سے ان میں اور ان کے بچوں کے درمیان مضحکہ خیز حالات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف سدھیر یعنی کہانی کا تیسرا کردار بھی اپنی زندگی میں کامیاب ہے اور سڑک کے کنارے پڑے پائپ میں رہ کر دیکھا ہوا اس کا اسٹیٹ ایجنٹ (Estate Agent) کا خواب پوار ہو چکا ہے۔ وہ بھی ایک مالدار آدمی ہے اور اب کہانی میں اسکا بیٹا بھی شامل ہو جاتا ہے۔

روزمرہ کے حالات وواقعات پر مبنی ہوا یہ سیریل آج بھی کافی مقبول ہے۔اس میں دو عورتوں کے آپسی مفاہمت(Adjustment) کی بھی بہترین مثال دیکھنے کو ملتی ہے جو آج تقریباً ہر مشترکہ خاندان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ غیر یقینی حالات سے نبٹنے کے بھی آسان طریقوں کو بخوبی پیش کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس میں بڑے شہروں میں رہنے والے ماڈرن نوجوانوں کی مشکلات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

تکنیکی اعتبار سے اس سیریل میں پراڈکشن کی چند خامیوں کے باوجود ہدایت کار نے تفریح فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ سماج کو ایک مثبت پیغام دینے کی کامیاب کوشش کی ہے ۔مکالمے بھی موضوع کے اعتبار سے مناسب دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے تو اس سیریل میں عام فہم بولی کا ہی استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ سلیس اردو اور ٹھیٹ ہندی کے جملے بھی اکثر سنائی دیتے ہیں۔ انگریزی کے مکالمے بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔ کل ملا کر یہ ایک اچھا سیریل ہے۔

دور درشن کے نیشنل چینل پر نشر ہورہے اس سیریل کے ہدایت کار و پروڈیوسر آنند مہندرو ہیں جب کہ کہانیاں عباس ہیرا پوروالا نے لکھی ہیں۔

مونگیری کے بھائی نورنگی لعل

چند برسوں قبل دور درشن کے نیشنل چینل پر ایک مشہور مزاحیہ سیریل "مونگیری لعل کے حسین سپنے" کے عنوان سے نشر ہوتا تھا چونکہ اس زمانے میں دور درشن پر سیریلوں کو معینہ قسطوں سے زیادہ توسیع نہیں دی جاتی تھی اسلئے اس سیریل کو بھی چند ہفتوں کے بعد بند کرنا پڑا تھا۔ اب اسی سیریل کی آگے کی کڑیاں "مونگیری کے بھائی نورنگی لعل" کے عنوان سے نشر کی جارہی ہیں۔ اس سیریل میں مونگیری لعل کے بعد اس کے چھ بھائیوں میں سے دوسرے بھائی نورنگی لعل کی کہانی پیش کی جارہی ہے جو مونگیری لعل سے ہی جڑی ہوئی ہے۔

اس سیریل میں نورنگی لعل ہیرو بننے کے خواب دیکھتا رہتا ہے اور اسی فراق میں وہ ممبئی آتا ہے

جہاں اسے مختلف اور دلچسپ حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ وہ ہیرو بننے کے چکر میں مضحکہ خیز حرکتیں کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح نورنگی لعل کے اردگرد گھومتی اس کہانی میں مزاح پیدا کیا جارہا ہے۔

تکنیکی اعتبار سے اس سیریل میں کئی خامیاں ہیں۔ تصویر کشی بھی کمزور ہے۔ ذیلی کرداروں نے مکالمے بھی ٹھیک طور پر ادا نہیں کئے ہیں اور ناظرین کو آدھے ادھورے مکالموں سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ زبان کے اعتبار سے ہندی کے اس سیریل میں اردو الفاظ کا بھی بکثرت استعمال ہوا ہے۔ جیسے یہ مکالمہ۔ "ہر انسان کا زندگی میں کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔" اس طرح کے کئی اور جملے بھی کبھی ماحول کو سنجیدہ بنانے اور ناظرین کو اس پر غور کرنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔

یہ سیریل دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر کیا جارہا ہے۔

حد کردی

ہندوستان کے مشہور پہلوان اور فلموں کے اداکار دارا سنگھ کو اس سیریل میں پیش کیا گیا ہے۔ مزاحیہ سیریلوں کی بھیڑ میں اس سیریل کو جلد ہی مقبولیت کا شرف حاصل ہوا۔ دارا سنگھ اور ان کے اہل خانہ کی الٹی سیدھی حرکتوں کی وجہ سے ناظرین اسے پسند کر رہے ہیں۔ روزمرہ کے گھریلو الجھنوں کو دارا سنگھ کے اپنے انداز سے سلجھانے کی وجہ سے مزاح پیدا ہوتا ہے اور کہانی خاندان کے ہی کسی فرد کو مزاح کا نشانہ بناتی ہے۔

دارا سنگھ اپنی بیوی کو بھی گھر کے اکھاڑے میں کھینچ لاتے ہیں۔ ان کے بیٹے و پوتے بھی اس میں شامل ہوتے ہیں اور کسی معمولی سی بات کو بھی اتنا طول دیا جاتا ہے کہ حد ہو جاتی ہے اور اسی لئے اس کا عنوان بھی "حد کردی" رکھا گیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے مزاح پیدا کرنے کا فن دارا سنگھ خوبی جانتے ہیں۔ اس طرح ہر قسط میں ایک نیا مسئلہ اٹھا کر ماحول کو مضحکہ خیز بنایا جاتا ہے تاکہ ناظرین کو بے ساختہ ہنسی آجائے۔

تکنیکی اور زبان دونوں اعتبار سے یہ سیریل بہت کمزور ہے۔ بے تکے مکالمے اور نامناسب منظر کشی نے اس سیریل کو کمزور کیا ہے۔ یہ سیریل اندنوں زی ٹی وی پر نشر ہو رہا ہے۔

گھر جمائی

مزاحیہ سیریلوں کی بڑھتی مقبولیت کے ساتھ ہی اس کے موضوعات میں بھی نمایاں تبدیلی ہوئی ہے۔ ساس بہو کے جھگڑوں کے بعد اب خسر واماد کے درمیان آپسی نوک جھونک پر مبنا یہ ایک دلچسپ مزاحیہ سیریل ہے۔ اس کی کہانی ایک ایسے پنجابی خاندان کی ہے جو پنجابی رسم ورواج پر سختی سے کاربند ہے۔ لیکن ایک ساؤتھ انڈین لڑکا اس کٹر پنجابی خاندان کا داماد بنتا ہے اور سسرال میں گھر جمائی بن کر رہنے لگتا ہے۔

کہانی بشمبر مہرا کے خاندان سے شروع ہوتی ہے جہاں مسٹر ومسز مہرا کے علاوہ ان کی دو بیٹیاں چاندنی وروشنی اور ایک بیٹا روہن ہے۔ مسٹر مہرا پنجابی طور طریقے کو سب سے بہتر مانتے ہیں اور انہیں یہ بالکل گوارا نہیں کہ ان کی بیٹی کسی غیر پنجابی سے دوستی کرے اور وہ بھی ایک ساؤتھ انڈین سے جنہیں وہ سب سے زیادہ غیر مہذب مانتے ہیں۔ ایک دن مسٹر مہرا کی ملاقات ایک تامل لڑکے سبو سے ہوتی ہے۔ دونوں ایک ریستوران میں بیٹھے ہیں اور باتوں باتوں میں دونوں کے درمیان شمالی ہند اور جنوبی ہند کی تہذیب اور رہن سہن کے طور طریقوں کو لیکر کافی تکرار ہو جاتی ہے۔ ادھر مسٹر مہرا کی بڑی بیٹی چاندنی اسی لڑکے سے محبت کرتی ہے اور شادی کرنا چاہتی ہے۔ وہ اپنی ماں اور بھائی بہن کے کہنے پر سبو کو اپنے گھر بلاتی ہے۔ مسٹر مہرا اپنی بیٹی سے بہت خفا ہیں کہ وہ ایک ساؤتھ انڈین لڑکے سے پیار کرتی ہے۔ شام کو سبو جب گھر آتا ہے تو مسٹر مہرا اسے دیکھتے ہی آگ بگولہ ہو جاتے ہیں اور انہیں ریستوران میں گذشتہ دنوں ہوئی تکرار یاد آجاتی ہے اور یہاں ایک بار پھر دونوں میں پرانے موضوع پر بحث شروع ہو جاتی ہے۔ گھر والوں کے بیچ بچاؤ سے یہ معاملہ کسی طرح ٹھنڈا پڑتا ہے مگر وہ اپنی بیٹی کی شادی اس لڑکے سے کرنے سے انکار کر دیتے ہیں پھر اپنے گھر والوں کے

اصرار اور بیٹی کی ضد کے آگے مجبور ہو کر اجازت دے دیتے ہیں، لیکن ان کی شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ انکا گھر جمائی بن کر رہے گا تا کہ وہ اس سے مستقل اپنا بدلہ لے سکیں۔ اس شرط کو سبو یہ کہتے ہوئے فوراً قبول کر لیتا ہے کہ

"ارے اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ اندھا کیا چاہے گا، دو آنکھیں، میرے پاس تو رہنے کے لئے گھر بھی نہیں ہے۔ میں تو آپ کے گھر میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔"

مسٹر مہرا اپنی ہی باتوں میں پھنس جاتے ہیں اور پھر چاندنی و سبو کی شادی ہو جاتی ہے۔ یہاں سے کہانی کا نیا رخ سامنے آتا ہے۔ اب ہر روز مسٹر مہرا کی سبو سے نئے نئے مسئلہ پر بحث شروع ہوتی ہے۔ مسٹر مہرا سبو کو پنجابی طور طریقے سکھانا چاہتے ہیں لیکن وہ اپنے ڈھنگ سے جینا چاہتا ہے۔ اور دونوں اپنے اپنے طریقے کو بہتر بتاتے ہوئے روز جھگڑتے رہتے ہیں۔ اس طرح ہر قسط میں ان کی آپسی نوک جھونک سے ایسے حالات پیدا کئے جاتے ہیں۔ جس سے ناظرین کو بے ساختہ ہنسی آجائے۔

تکنیکی اعتبار سے کہانی میں کوئی گہرائی نہیں ہے چھوٹے چھوٹے گھریلو معاملات کو بھی اتنا طول دیا گیا ہے کہ اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ کہیں پر مکالموں اور کرداروں کے جلد تبدیل نہ ہونے کی وجہ سے بھی اکتاہٹ کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن ہدایت کار نے یہ کوشش کی ہے کہ ہر قسط کے جھگڑے کو وہیں نمٹا کر آخر میں دونوں خسر و داماد اپنی آپسی رنجش کو بھول کر خوش دکھائی دیتے ہیں۔

جہاں تک زبان کا تعلق ہے تو اس سیریل میں اردو ہندی کے علاوہ پنجابی اور تمل زبانوں کا استعمال بھی بکثرت ہوا ہے۔ سبو کبھی اکیلے میں ہی اپنی زبان بولتا نظر آتا ہے تو مسٹر مہرا اکثر پنجابی بولتے دکھائی دیتے ہیں۔ مسٹر مہرا کی پنجابی کا جواب سبو تمل یا انگریزی میں دے کر انہیں مزید تنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی ٹھیٹ ہندی کے جملے بھی سنائی دیتے ہیں۔ مثلاً "اوجی، دھنیہ بھاگیہ ہمارے، جو آپ ہمارے گھر پدھارے" وغیرہ

زی ٹی وی پر نشر ہو رہے اس سیریل کے ہدایت کار انت مہادیون ہیں جب کہ اس کی کہانیاں رنجن بوس لکھ رہے ہیں۔

مسز مادھوری دکشت

1996 عیسوی میں جب اس سیریل کی نشریات شروع ہوئیں تو ابتدائی چند قسطوں کے بعد شبہ ظاہر کیا گیا کہ یہ سیریل کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ یہ عام مزاحیہ سیریلوں سے ہٹ کر بنایا گیا تھا اور عام رجحان کے برخلاف اس میں مزاح کا پیمانہ بھی مختلف تھا۔ ہوا بھی یہی کہ ابتدائی چند قسطوں میں یہ ناظرین کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکا۔ لیکن بعد میں ہدایت کار کے بدل جانے اور سیریل کی ہیئت میں تبدیلی کے بعد یہ سیریل بھی مقبول عام ہو گیا۔

دیگر مزاحیہ سیریلوں کی ہی طرح اس میں بھی ہر قسط میں ایک نئی کہانی پیش کی جا رہی ہے۔ لیکن بنیادی کہانی دو مہذب اور تعلیم یافتہ خاندانوں کی ہے جو ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ مرکزی کردار یعنی مسز مادھوری دکشت بڑے شہروں میں رہنے والی عورتوں کی طرح تعلیم یافتہ اور وقت شناس ہے۔ ایک بار ایک انعامی مقابلہ جیتنے پر اسے دس کلو سونا بطور انعام ملنے کی خبر آتی ہے۔ یہ خبر سن کر اس کی پڑوسن ممتا بھی بہت خوش ہوتی ہے۔ لیکن ممتا کا شوہر بنٹی اسے مادھوری کے خلاف بھڑکا کر اس کے دل میں حسد پیدا کر دیتا ہے جب کہ ممتا ایک نرم مزاج عورت ہے لیکن اپنے شوہر کے بہکاوے میں آکر اپنی پڑوسن سے بلاوجہ تکرار کرتی ہے۔

ایک قسط میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مسز مادھوری دکشت کو ایک انعام کے طور پر گوا جانے کے لئے ہوائی جہاز کے دو ٹکٹ ملتے ہیں۔ جب دونوں میاں بیوی کے جانے کی تیاریاں مکمل ہو جاتی ہیں تو اچانک مادھوری کی بوڑھی چاچی آجاتی ہیں۔ مادھوری اپنی پڑوسن ممتا سے کہتی ہے کہ وہ کچھ دنوں کے لئے اس کی چاچی کی دیکھ بھال کر لے تاکہ وہ گوا گھوم کر آسکے۔ ممتا خوشی خوشی حامی بھر لیتی ہے اور چاہتی ہے کہ ایک اچھے پڑوسی ہونے کا فرض نبھائے۔ لیکن ممتا کا شوہر اسے بھڑکاتا ہے کہ وہ تو بے وقوف ہے کہ مادھوری تو گوا میں تفریح کرے اور تم اس کے گھر نوکرانی بن کر کام کرو۔ اس طرح ممتا پھر مادھوری کو اس کی چاچی کی دیکھ بھال کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔

اس طرح ہر قسط میں ممتا کا شوہر اسے بھڑکاتا رہتا ہے اور حالات مضحکہ خیز ہوتے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح ہر قسط میں ایسے حالات پیدا کئے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کو ہنسی آجائے۔ لیکن اس سیریل کی

ہر قسط میں یہ پیغام دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ اچھے لوگ اچھے پڑوسی بھی ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی اس میں شوہر، بیوی کے رشتوں کے دکھاوے کو بھی طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس سیریل میں یہ بھی بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ عورتوں کا استحصال صرف مرد نہیں بلکہ عورتیں بھی کر رہی ہیں۔ شہری ماحول میں رہنے والوں کے رہن سہن اور بے جا دکھاوے کو بھی طنزیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ پروڈکشن کی چند خامیوں کے باوجود یہ سیریل کامیاب ہے۔

اس کے مکالمے بھی عام فہم زبان میں صاف ستھرے انداز میں کہے گئے ہیں تاکہ ناظرین تک پیغام رسانی کا عمل آسان ہو۔ متنازعہ لفظوں کے استعمال سے گریز کیا گیا ہے جیسا کہ عام طور پر مزاحیہ سیریلوں میں ہوتا ہے۔ اردو ہندی کے جملوں کے ساتھ انگریزی کے جملے بھی نہایت خوبی سے استعمال کئے گئے ہیں جو اس سیریل کو مزید تقویت بخشتے ہیں۔

زی ٹی وی پر نشر ہو رہے اس سیریل کی ابتدائی چند قسطوں میں ہدایت کار کے فرائض کندن شاہ نے ادا کئے تھے جب کہ راجن واگدھرے اس کی بقیہ قسطوں کے ہدایت کار ہیں۔ کہانی اور مکالمے کملیش پانڈے لکھ رہے ہیں۔

ہم سب ایک ہیں

یوں تو مزاحیہ سیریلوں کا بنیادی مقصد ناظرین کی تفریح طبع ہے لیکن کچھ ایسے سیریل بھی ہیں جو ہمارے سماج میں ایک مثبت تبدیلی لانے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے ہی چند سیریلوں میں یہ بھی ایک ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہے یہ بھائی چارے اور آپسی اتحاد کے موضوعات پر مبنی ہے۔ اس میں کہانی کار اور ہدایت کار نے بامقصد باتوں کو ہلکے پھلکے ڈھنگ سے کہنے کی کوشش کی ہے تاکہ بات بھی کہی جائے اور تفریح کا عنصر بھی شامل رہے۔

اس سیریل کی کہانی میں ایک ایسا خاندان ہے جس کا سرپرست ایک کشمیری ہے رٹائرڈ کرنل ہے۔ اس کی بیوی کنیا کماری (جنوبی ہند) سے تعلق رکھتی ہے۔ تین بیٹوں اور ایک بیٹی پر مشتمل

اس خاندان میں بیٹوں کی شادیاں ہندوستان کے تین الگ الگ صوبوں میں ہوتی ہے۔ بہوئیں گجرات، پنجاب اور بنگال سے تعلق رکھتی ہیں۔ جن کے تہوار، روایات، رسم و رواج، پہناوے اور کھانے پینے کا طریقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ مختلف معاملات کو لے کر ہر قسط میں کوئی نہ کوئی مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور نوبت بھوک ہڑتال اور گھر چھوڑنے تک کی آجاتی ہے۔ لیکن کرنل صاحب ان حالات سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے اگرچہ انہیں اپنے بیٹوں کا رویہ بھی پسند نہیں ہے۔ وہ معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب اس میں ناکام ہو جاتے ہیں تو ان کی بیوی یا کوئی دوسرا ان کی مدد کو آجاتا ہے۔ الگ الگ ماحول اور مزاج کی ان کی بہوئیں آپسی اختلافات کے باوجود اپنے ساس و خسر کا کہنا مانتی اور ان سے عزت و احترام سے پیش آتی ہیں۔ بیٹے بھی اپنے باپ سے ذہنی اختلافات کے باوجود اس کا حکم مانتے ہیں۔ بہر کیف یہ خاندان ہمارے سماج کی ایک اچھی تصویر پیش کرتا ہے۔ مسائل بھی وہی ہوتے ہیں جن سے ہر خاندان آج دوچار ہے۔ ہر قسط میں ایک نئے مسئلے کو لے کر کہانی پیش کی جاتی ہے۔

تکنیکی اعتبار سے اس سیریل کے پروڈکشن اور سیٹ وغیرہ میں درجنوں خامیاں ہیں۔ مکالمے بھی کبھی بے ربط سے معلوم ہوتے ہیں۔ مختلف زبانوں کے مکالمے کبھی کبھی بے جا اور بھرتی کے محسوس ہوتے ہیں۔ اداکار بھی مکالموں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے اور اکثر غلط جملے بول جاتے ہیں جنہیں تصحیح (Editing) کے وقت نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ زبان کے اعتبار سے اس سیریل میں کئی زبانوں کے مکالمے سننے کو ملتے ہیں۔ بنگالی، پنجابی، گجراتی، ملیالم، ڈوگری اور انگریزی کے علاوہ اردو و ہندی کے جملے بھی سنائی دیتے ہیں ویسے عام فہم بولی کا استعمال کر کے پیغام کو وسیع تر ناظرین تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔

سونی چینل پر نشر ہو رہے اس مزاحیہ سیریل کو عام ناظرین باقاعدگی سے دیکھتے ہیں کیونکہ حقیقت سے قریب تر اس کی کہانیاں آج کے مسائل کو عمدگی سے پیش کر رہی ہیں۔

ہم پانچ

آج جہاں ایک طرف مزاحیہ سیریلوں کی تعداد میں روزانہ اضافہ ہو تا جارہا ہے وہیں دوسری طرف کچھ پرانے سیریل آج بھی کامیابی کے ساتھ جاری ہیں۔ تین سال سے بھی زائد عرصے سے جاری یہ سیریل آج بھی کافی مقبول ہے۔ زی ٹی وی پر نشر ہونے والا یہ سیریل حالات حاضرہ کے موضوعات پر طنز کے ساتھ ناظرین کے لئے مزاح اور دلچسپی کا باعث بھی ہے۔

اس سیریل کا مرکزی کردار آنند ماتھر نامی ایک شخص ہے جس کی پانچ بیٹیاں ہیں جنہیں مختلف چیزوں کا شوق ہے اور جن کی عادتیں بھی انوکھی اور منفرد ہیں۔ ماتھر کی پہلی بیوی یعنی پریا تندولکر مر چکی ہے۔ جس کی ایک بڑی سی تصویر مع پھولوں کے ہار ڈرائنگ روم میں لگی ہوئی ہے۔ ماتھر نے دوسری شادی کرلی ہے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ پہلی بیوی تصویر سے ہی اپنے شوہر کو برا بھلا کہتی رہتی ہے جسے ماتھر کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں سن سکتا ہے اور اکثر ماتھر اسے جواب دینے کی کوشش میں اپنی بیٹیوں کے مذاق کا نشانہ بھی بنتا ہے۔ اس کی پانچوں بیٹیاں اکثر آپس میں لڑتی رہتی ہیں لیکن کسی باہر والے کے خلاف ایک ہو کر مقابلہ کرنے کو بھی تیار رہتی ہیں۔ وہ سب اپنے باپ کو تماشے کی چیز سمجھ کر ہر وقت اس کا مذاق اڑاتی اور اسے پریشان کرتی رہتی ہیں۔ گویا ہر قسط میں نئے نئے حالات اور مختلف کہانیوں کے ذریعہ مزاح کا پہلو برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

تکنیکی اعتبار سے یہ سیریل کامیاب ہے کیونکہ اس میں مختلف حالات کی منظر کشی بڑی عمدگی سے کی گئی ہے اور ہر قسط میں ایک کہانی مکمل ہو جاتی ہے۔ ہر قسط میں ناظرین کے لئے پیغام پوشیدہ رہتا ہے جو سماجی برائیوں اور اخلاقی پستی کے موضوعات پر مبنی ہوتا ہے۔

جہاں تک اس سیریل میں زبان کا تعلق ہے ،اس میں عموماً روزمرہ کی بولی کا ہی استعمال ہوا ہے۔ لیکن کبھی کبھی انگریزی کے مکالمے بھی سنائی دیتے ہیں جو موقع و محل کے لحاظ سے مناسب ہیں۔ ایک مکالمے سے سیریل کے موضوع کے علاوہ اس کی زبان کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"تیس سال پہلے اخبار کے فرنٹ پیج پر جواہر لعل نہرو اور لعل بہادر شاستری کی تصویریں چھپتی تھیں اور آج غنڈوں اور لٹیروں کی ہی تصویریں چھپتی ہیں۔"

اس طرح کے بے شمار طنزیہ جملے اس کی ہر قسط میں سنائی دیتے ہیں۔ اس سیریل کے ہدایت کار رجت رویل ہیں جب کہ کہانیاں اور مکالمے لکھنے کا کام امتیاز پٹیل کر رہے ہیں۔

شریمان شریمتی

آج ٹیلی ویژن کے تقریباً سبھی ہندی چینلوں پر جو سیریل نشر ہو رہے ہیں ان میں مزاحیہ سیریلوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ کچھ مزاحیہ سیریل تو شروع ہو کر بہت جلد ختم بھی ہو گئے لیکن کچھ پچھلے کئی سالوں سے مستقل نشر ہو رہے ہیں اور آج بھی کافی مقبول ہیں۔ ان چند سیریلوں میں "شریمان شریمتی" بھی ایک ہے جو پچھلے پانچ سالوں سے کامیابی کے ساتھ دوردرشن کے میٹرو چینل پر نشر ہو رہا ہے۔

گجراتی کے ایک چھوٹے سے ناٹک "پتی نامے پتنگی" کی بنیاد پر بنا ہندی کا یہ پہلا مزاحیہ سیریل ہے جسے اتنی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ گجراتی کے اس ناٹک میں دو میاں بیوی کو لے کر ایسی کہانی دکھائی گئی تھی جس میں دو مرد اپنی بیویوں کے بجائے ایک دوسرے کی بیویوں کو پسند کرتے ہیں۔ اسی کہانی کو بنیاد بنا کر "شریمان شریمتی" کا پلاٹ تیار کیا گیا ہے۔ اس کی ابتدائی قسطوں میں صرف چار کرداروں یعنی دو مرد، کیشو کلکرنی اور دلربا اور ان کی بیویوں کو لے کر کہانی پیش کی گئی۔ پھر اس میں ایک بچے کا اضافہ ہوا اور کچھ ضمنی کرداروں کو گاہے بگاہے شامل کیا گیا۔ ہر قسط میں ان بنیادی کرداروں کو لے کر ایسے حالات پیدا کئے جاتے ہیں جن سے مزاح پیدا ہو۔ کبھی فون کی خرابی کبھی موبائل فون کے استعمال یا پھر اخبار کی اہم خبروں پر مبنی پروگرام پیش کئے گئے۔ حال کے دنوں میں ہم شیہہ-Clon) (ning کی خبروں سے متعلق دلچسپ اور مزاحیہ قسطیں نشر کی گئیں۔

اس کی بڑھتی مقبولیت اور ضمنی کرداروں کو بھی ناظرین کے ذریعہ پسند کئے جانے کے بعد کچھ ضمنی کرداروں کو بھی مستقل کر دیا گیا اور کہانی کیشو کلکرنی اور دلربا کے گھروں سے نکل کر اس کے آفس میں پہنچ گئی جہاں کیشو کے ایک دوست اور اس کے مالک کے طور پر دو نئے کردار سامنے آئے جن کی

موجودگی سے مزاح میں مزید اضافہ ہوا حالات حاضرہ کے مسائل کے علاوہ ملک کے سیاسی حالات پر کئی قسطیں نشر کی گئیں جن میں اچھی خاصی طنز بھی شامل تھی۔

اس سیریل میں کیشو کلکرنی کی بیوی ایک گھریلو عورت ہے۔ وہ کافی سمجھدار اور بامروت عام ہندوستانی عورت ہے جو اپنے شوہر کی ہر بات پوری کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے جب کہ اس کا شوہر لاابالی قسم کا انسان ہے اور اپنے پڑوسی، دلربا کی بیوی پر فدا ہے۔ دلربا کی بیوی ایک فلم اداکارہ ہے۔ ماڈرن خیالات کی اس اداکارہ کو ہر وقت اپنی فلموں کی شوٹنگ کی ہی فکر لگی رہتی ہے اور وہ اپنے شوہر کو ہر وقت ڈانٹتی پھٹکارتی رہتی ہے۔ دلربا اپنی بیوی سے ڈرتا اور کیشو کی بیوی کو پسند کرتا ہے اور اس کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتا رہتا ہے۔ اس سیریل میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جہاں ایک طرف ایک عورت اپنے شوہر کی وفادار رہنا چاہتی ہے وہیں دوسری عورت اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مختلف مردوں کو استعمال کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

تکنیکی اعتبار سے ہدایت کار نے ہر قسط میں نئے حالات اور واقعات دکھا کر کہانی میں نیا پن برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ قومی سطح پر زیر بحث معاملات (Burning Issues) کو مزاح کے طور پر پیش کر کے نہ صرف ناظرین کو تفریح کا سامان مہیا کیا ہے بلکہ ان معاملات کی تفصیلی جانکاری بھی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ کچھ سنجیدہ مسائل کو اتنے ہلکے پھلکے انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ ناظرین کو بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ ضرورت کے مطابق کچھ فلموں کی شوٹنگ اور وہاں کی گلیمرس دنیا کی جھلک بھی دکھائی گئی ہے۔ چونکہ ایک کہانی ایک قسط میں ہی مکمل ہو جاتی ہے اس لئے ناظرین کو کسی کمی کا احساس نہیں ہوتا ہے۔

اس سیریل میں اردو کے مکالمے بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ موقع و محل کے اعتبار سے انگریزی کے الفاظ اور جملے بھی خوبصورتی سے استعمال کئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں پر ہندی کے ثقیل الفاظ کا بھی استعمال ہوا ہے جو اکثر کانوں کو گراں گذرتا ہے۔ جیسے "سماجتا اور دیش کے سروانگین وکاس کے لئے ہم سبھی کو پریتن کرنا چاہئے"۔

اشوک پائل کی کہانیوں پر مبنی اس سیریل کے ہدایت کار راجن واگدھرے ہیں۔

جانے بھی دو پارو

اس سیریل کی کہانی میں شوہر بیوی پر مشتمل ایک خاندان ہے۔ اس میں شوہر یعنی ڈاکٹر شیو پرساد پرانے خیالات کے روایت پسند انسان ہیں جب کہ ان کی بیوی، پارو بالکل نئے خیالات کی ایک ماڈرن عورت ہے۔ لیکن وہ اپنے شوہر سے بہت ڈرتی ہے۔ ڈاکٹر پرانی تہذیب اور اپنے بزرگوں کے طور طریقے کو درست مانتا ہے جب کہ اس کی بیوی نئی تہذیب کی پروردہ ہے۔ اکثر دونوں میں چپقلش ہوتی رہتی ہے۔ پارو اپنی کسی نہ کسی حرکت کی بناء پر مصیبت میں گرفتار ہوتی رہتی ہے۔ اور جب بات اس کے شوہر کو معلوم ہوتی ہے تو وہ بڑی مسکین صورت بنا کر اکثر اس سے معافی مانگ لیتی ہے۔ بہر حال کہانی میں نئے نئے حالات پیدا کر کے ناظرین کے لئے تفریح کا سامان مہیا کیا جاتا ہے۔ اس سیریل میں اس بات پر خاص دھیان رکھا گیا ہے کہ مکالموں میں کسی قسم کا پھوہڑ پن نہ شامل ہو جائے۔

دور درشن میٹرو پر نشر ہونے والے اس سیریل کی ہدایت کار، ارچنا پورن سنگھ ہیں جنہوں نے خود ہی پارو کا مرکزی کردار بھی ادا کیا ہے۔

دو اور دو پانچ

آج ٹیلی ویژن پر مزاحیہ سیریلوں کو مل رہی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے بڑے بڑے ہدایت کار بھی اب مزاحیہ سیریل بنانے میں لگ گئے ہیں۔ اسی کے مد نظر مشہور ہدایت کار انور ادھا پرساد نے "دو اور دو پانچ" نامی یہ سیریل بنایا ہے۔ واضح رہے کہ انور ادھا پرساد نے اس سے قبل دور درشن کے لئے بہت سے پروگرام اور ٹیلی فلمیں بھی بنائی ہیں۔

اس سیریل کی کہانی پانچ افراد پر مشتمل ایک خاندان کے ارد گرد گھومتی ہے۔ اس میں رادھیکا ایک سمجھدار اور چالاک عورت ہے جو اپنے پورے خاندان کو مٹھی میں باندھ کر رکھتی ہے اور اس کی مرضی کے بغیر گھر میں کوئی فیصلہ نہیں ہوتا ہے۔ وہیں دوسری طرف اس کا شوہر، کرشن کانت اپنی بیوی کے

بر عکس کاہل اور بھلکڑ قسم کا انسان ہے لیکن اسے اپنی عزت کا بڑا خیال رہتا ہے۔ اسکا چھوٹا بھائی، راہل شادی کے بعد بھی بے روزگار ہے اور وہ بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھتا رہتا ہے۔ لیکن اسے حاصل کرنے کے لئے کوئی جدو جہد نہیں کرتا۔ راہل کی بیوی، رشمی ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں کام کرتی ہے اور اپنے شوہر کے خیالی پلاؤ پکانے اور اس سے محرومی کا اکثر مذاق اڑاتی رہتی ہے۔ جس سے دونوں میں کبھی کبھی لڑائی بھی ہو جاتی ہے۔ خاندان کا پانچواں فرد، رادھیکا کا بیٹا ہرش ہے۔ اس نوجوان کو ہر روز کسی نئی لڑکی سے فلرٹ کرنے میں مزہ آتا ہے۔ اس خاندان میں ہر روز نت نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور ہر فرد اپنے ڈھنگ سے اس کا حل تلاش کرتا نظر آتا ہے۔ ایسے مسائل اور حالات پیدا کئے جاتے ہیں جن سے ناظرین کو ہنسی آتی ہے۔

اس سیریل میں ایسے واقعات دکھائے جاتے ہیں جو کم و بیش آج ہر خاندان میں یکساں ہیں۔ روزمرہ کے ایسے واقعات ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور انہیں ہر کہانی حقیقت سے قریب دکھائی دیتی ہے۔ مکالمے بھی خوبی ادا کئے گئے ہیں اگرچہ کہیں کہیں زبان بہت کمزور ہے اور مناسب الفاظ کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے سننے والے کو کمی اور تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ عام فہم بولی کے علاوہ اکثر انگریزی کے جملے بھی سنائی دیتے ہیں۔

زی ٹی وی پر نشر ہو رہے اس سیریل کو انورادھا پرساد نے خود ہی لکھا ہے۔

ٹیلی ویژن پر حرام کاری کا بڑھتا رجحان

آج ٹیلی ویژن کے تقریباً سبھی چینلوں پر ایسے سیریلوں کی کثیر تعداد موجود ہے جن میں یہ دکھایا جا رہا ہے کہ مرد خواہ کتنا ہی شریف کیوں نہ ہو پھر بھی اس کی نگاہیں اپنی بیوی کے علاوہ کچھ زیادہ کی تلاش میں رہتی ہیں۔ اسے ہمیشہ دوسری عورت اچھی لگتی ہے۔ ایسا نہ صرف مردوں کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ اچھے اور شریف خاندان کی عورتیں بھی ایسے معاملات میں ملوث ہیں۔ ٹیلی ویژن کے سیریلوں کے مطابق آج ہمارے معاشرے میں حرام کاری کا رجحان تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔

اگر چہ ہمارے سماج میں ایسی مثالیں ہمیشہ سے موجود رہی ہیں لیکن آج سیریل بنانے والے چند مثالوں کو اس طرح عام کر رہے ہیں گویا پورا سماج ہی ان حرکتوں میں ملوث ہو۔ بیڈ روم کی وہ باتیں جو پہلے بہت ہی نجی ہوا کرتی تھیں جن کی خبر میاں بیوی کے علاوہ گھر کے دیگر افراد کو بھی نہیں ہوا کرتی، آج موضوع بحث ہیں۔ آج ٹیلی ویژن پر میاں بیوی کے آپسی مکالمے بھی اس طرح دکھائے جاتے ہیں گویا یہ باتیں بند کمرے کے حدود کو توڑ کر عام ہو چکی ہیں۔ حالانکہ آج بھی معاشرے میں ایسی باتوں کا اظہار نہ صرف معیوب سمجھا جاتا ہے بلکہ اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

ٹیلی ویژن کے سیریل "تارا" سے شروع ہوا یہ رجحان آج کئی کامیاب سیریلوں کا خاص موضوع ہے۔ شادی شدہ مردوں کا اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کے ساتھ رہنے یا ان سے ناجائز تعلقات قائم کرنے کی مثالیں کسی نہ کسی شکل میں آج سبھی سیریلوں کا موضوع ہوتی ہیں خواہ وہ "سیلاب، انداز، قرض، حسرتیں، کورا کاغذ" ہوں یا پھر "سانس، حنا، تنہا" وغیرہ ہوں۔ ان سبھی سیریلوں میں کرداروں کے ازدواجی زندگی سے باہر کے تعلقات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ "حسرتیں" اور "سانس" نے صرف اسی بناء پر مقبولیت حاصل کی۔ "حسرتیں" کو 209 قسطوں کے بعد جب ختم کیا گیا تو ناظرین اسے مستقل بڑھانے کے لئے مانگ کرتے رہے۔

ٹیلی ویژن پر حرام کاری کے بڑھتے رجحان کے سلسلے میں "سیلاب" کے ہدایت کار روی رائے کا کہنا ہے:

"آج ہمارے چاروں طرف ایسی مثالیں کثرت سے موجود ہیں جہاں بھائی۔ بہن، ماں۔ بیٹے اور باپ۔ بیٹی کے درمیان ناجائز تعلقات قائم ہیں" (دہلی ٹائمز، دی ٹائمز آف انڈیا۔ 19 مئی 99 عیسوی)

وہ اسے ہمارے معاشرے میں آرہی تبدیلیاں قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "سیلاب، حسرتیں، اور 'سانس' جیسے سیریل ہماری سوسائٹی کا آئینہ ہیں"۔

دوردرشن کے مشہور سیریل "شانتی" کا خاص موضوع ہی ایک عورت کی عصمت دری کا ہے۔ اور اس کی ناجائز اولاد ہی مرکزی کردار کا رول ادا کرتی ہے جو اپنی ماں کے ساتھ کی گئی بدسلوکی کا پردہ فاش کرنا چاہتی ہے۔ اس پورے سیریل میں اسی مسئلہ پر بحث چلتی رہی۔ سونی چینل کے سیریل "حنا" میں ایک لڑکی کو شادی کی پہلی ہی رات اس کا شوہر یہ کہتا ہے کہ وہ کسی اور لڑکی سے پیار کرتا ہے

اور اسے ہی اپنی بیوی مانتا ہے اتنا ہی نہیں وہ اس نئی نویلی دلہن کو بھی طلاق دے دیتا ہے۔

آج اس طرح کے سیریلوں کا اثر ہمارے معاشرے پر بھی پڑ رہا ہے۔ خاندانی روایات اور اخلاقی قدریں تیزی سے ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ آپسی رشتوں میں آ رہی دراڑ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ ایسے سیریلوں کا ہمارے سماج پر کافی برا اثر ہو رہا ہے۔ یہ سلسلہ صرف سیریلوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ناظرین کے مسائل کو انوکھے ڈھنگ سے سلجھانے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ ناظرین کے پیچیدہ مسائل کو بھی مختلف پروگراموں میں شامل کر کے اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ "ہیلو" اور "لو لائن" وغیرہ اسی زمرے کے پروگرام ہیں جن میں سنجیدہ مسائل کا حل بھی مضحکہ خیز ہوتا ہے اور سوال کرنے والا مزید پریشان ہوتا ہے۔

اس طرح کے پروگرام ہمارے سماج میں آ رہی تہذیبی اور اخلاقی گراوٹ کے لئے مزید ہموار کر رہے ہیں ۔ اس طرح کے موضوعات ہی آج ناظرین کے درمیان قابل فروخت (Saleable) مانے جاتے ہیں اور سیریل بنانے والوں کو اپنا مفاد زیادہ عزیز ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ سماج کے اقداروں کی پاسداری کریں۔ اس سلسلے کے چند منتخب سیریلوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جن سے ہمارے معاشرے میں آئی تبدیلیوں کا بخوبی علم ہوتا ہے۔

اپراجتا

یہ سیریل ہمارے جدید ہندوستانی سماج میں مرد و عورت کے درمیان آپسی دراروں کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ ساتھ ہی یہ اس ہندوستانی عورت کی بھی کہانی ہے جس کی اس ملک میں مختلف ناموں سے پوجا کی جاتی ہے لیکن آج انسانی رشتوں کا مفہوم بدل گیا ہے اور مرد و عورت کے رشتوں میں گہرائی تلاش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس سیریل میں عورت قدم قدم پر ممتا اور محبت کی ایسی دیوی ہے جو نہ صرف اپنے فرائض انجام دیتی ہے بلکہ پورے سماج کے لئے ایک مثالی عورت کا روپ بھی پیش کرتی ہے۔ اس سیریل میں

بیادی کردار، اچلا نامی ایک ہندوستانی عورت ہے۔ اس کا شوہر، اجے ایک معروف مصنف ہے جو اپنی سوجھ بوجھ اور جدید طرز کے خیالات سے جلد از جلد دولت و شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اپنے قلم کا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اچلا اپنے شوہر کی ان عادتوں سے بخوبی واقف ہے۔ وہ اسے برابر سمجھانے کی کوشش کرتی ہے اور دونوں میں تکرار بھی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اچلا کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ ان کے آپسی رشتے میں کوئی دراڑ نہیں آجائے اور گھر کی بات باہر نہ چلی جائے جس سے اس کی ازدواجی زندگی میں مشکلات پیدا ہو جائیں۔ وہ اپنے شوہر کی بری عادتوں کو بھی سدھارنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ اس کا خاندان بکھرنے سے محفوظ رہے۔ لیکن اچلا کی ساری کوششیں ناکام رہتی ہیں اور اسکا شوہر سنیتا نامی لڑکی کو اپنے دام میں پھانس لیتا ہے۔ اچلا کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں وہ اجے کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس پر سنیتا کا بھوت سوار ہوتا ہے۔ ایک دن سنیتا خود ہی اجے کا ساتھ چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔

دوسری طرف اجے کی کنواری بہن شہر آتی ہے جو حاملہ ہے۔ اسے دیکھ کر اجے بہت خفا ہوتا ہے۔ وہ اپنی بہن کے نامراد عاشق کو قتل کرا دینے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ ساتھ ہی بہن پر ابارشن کرا لینے کیلئے زور ڈالتا ہے۔ لیکن اچلا اس کی بہن کا ساتھ دیتی ہے۔ گھریلو ماحول بگڑ جاتا ہے۔ اچلا کسی طرح اپنی نند کی شادی کرا دینے کی کوشش کرتی ہے اور ایک دن من سکھانی نامی ایک ادھیڑ عمر کا شخص اس سے شادی کر لیتا ہے۔ شریف صفت یہ انسان اس کے بچے کو اپنی جائداد کا وارث بھی بنا دیتا ہے۔ اس جائداد کی دیکھ بھال مسز دسانی نامی ایک عورت کرتی ہے جو نہایت لالچی اور شاطر ہے اور دولت کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتی ہے۔ وہ من سکھانی کو قتل کر دینے کی سازش کرتی ہے اور اس مقصد کے لئے وہ سریندر نامی ایک نوجوان سے شادی کر لیتی ہے۔ سریندر کسی زمانے میں غنڈہ گردی اور مار پیٹ کیا کرتا تھا لیکن اس نے اب برے کاموں سے توبہ کر لی ہے۔ مسز دسانی اسے من سکھانی کو قتل کر دینے کے لئے کہتی ہے۔ لیکن سریندر ایسا کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ لیکن ایک دن من سکھانی کا قتل ہو جاتا ہے۔ سریندر کو مسز دسانی پر شبہ ہوتا ہے دونوں میں کافی تکرار ہوتی ہے اور بالآخر سریندر اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

دوسری طرف اجے کے خلاف اخباروں میں خبریں شائع ہوتی ہیں جس سے سماج میں اس

کی عزت کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ وہ پریشان رہتا ہے اور ایک دن اپنا گھر چھوڑ کر گوا چلا جاتا ہے۔ گوا میں وہ ترشنا متل نامی عورت کے گھر پر ٹھہرتا ہے۔ اجے اس کے لئے کہانیاں لکھتا ہے۔ لیکن ترشنا کا شوہر، روہن اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتا اور ایک دن اجے و روہن میں کافی لڑائی ہوتی ہے۔ روہن اسے اپنے گھر سے نکال دینا چاہتا ہے لیکن ترشنا اجے کی حمایت کرتی ہے اور اجے وہیں رہنے لگتا ہے۔ ادھر اجے کا دوست شیورام اچلا کی مدد کرتا ہے۔ اسے نوکری دلاتا ہے اور اب زندگی کے لے اچلا کی جدوجہد شروع ہوتی ہے۔

اچلا مسز دسانی سے بھی جائداد کا حساب مانگتی ہے۔ کیونکہ اب اجے کی بہن کی پریشانیاں بھی اس کی زندگی میں شامل ہو جاتی ہیں۔ وہ مسز دسانی سے کسی بھی طرح جائداد واپس لینا چاہتی ہے۔ اچلا زندگی کے مختلف مراحل میں پریشانیوں سے نبرد آزما ہوتی ہے اور بڑی مشکلوں سے کسی طرح جائداد کا حساب کتاب حاصل کرتی ہے۔ 500 قسطوں سے بھی زیادہ کی نشریات کے باوجود یہ سیریل آج بھی جاری ہے۔ اس پورے سیریل میں مختلف قسطوں میں شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے غیروں سے دوستی کرنے، جسمانی تعلقات قائم کرنے اور اپنے مفاد کی خاطر ان کے استعمال کی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ زمین و جائداد کی خاطر قتل و غنڈہ گردی کی بھی مثال کثرت سے موجود ہے۔

اس سیریل میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بخوبی پیش کیا گیا ہے۔ ہدایت کار نے مرد و عورت کے رشتوں کو نہایت باریکی سے دکھانے کی کوشش کی ہے۔ مختلف مقامات پر فلمائے گئے مناظر بھی ناظرین کے لئے دلچسپی کا باعث ہیں۔ ممبئی کے علاوہ گوا اور دیگر مقامات کی خوبصورت تصویریں بھی دلکش انداز سے پیش کی گئی ہیں۔ اس سیریل میں ہر طبقے کی عورتوں کو شامل کیا گیا ہے۔ ان کی پریشانیاں اور مشکلات بھی دکھائے گئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ پیغام بھی دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر عورت جدوجہد کرے تو حالات کو سازگار بنا سکتی ہے۔ اس سیریل میں کئی گیتوں اور غزلوں کو بھی شامل کیا گیا ہے، لوری بھی سننے کو ملتی ہے۔ کئی گیتوں پر اداکاروں کو رقص کرتے بھی دکھایا گیا ہے۔ گویا فلم کی تکنیک کا بڑی خوبصورتی سے استعمال ہوا ہے۔ ہدایت کار آلوک ناتھ دکشت نے دلشاد امروہی کی غزلوں کو رقص ہدایت کار حبیب رحمان کی مدد سے کرداروں پر بخوبی فلمایا ہے۔ راج کمار بھرمرنے خود ہی اپنے ناول "اپراجتا" میں سیریل کی ضرورتوں کے مطابق تبدیلیاں کی ہیں اور وہ اس کے مکالمے

بھی لکھ رہے ہیں۔

مکالموں میں اردو ملی جلی زبان استعمال کی گئی ہے۔ ہندی اور انگریزی کے مکالمے بھی وقتاً فوقتاً استعمال ہوئے ہیں۔ اس سیریل کا عنوان بھی اس کے مرکزی کردار کی مناسبت سے رکھا گیا ہے جو زندگی کی جنگ مستقل لڑنے میں بھروسہ رکھتی ہے۔ یہ سیریل دوردرشن کے نیشنل چینل پر دکھایا جا رہا ہے۔

حسرتیں

ہندوستانی سماج میں آج تک جن رشتوں اور جذبوں کا عوامی اظہار ممنوع قرار دیا گیا تھا جب وہ رشتے اور جذبات سارے بندھن توڑ کر ٹیلی ویژن پر سیریل "حسرتیں" میں دکھائی دیں تو اس سے لوگوں کا چونکنا لازمی ہے۔ زی ٹی وی پر نشر ہونے والا یہ سیریل کچھ ایسے ہی رشتوں اور جذباتوں کی کہانی ہے جسے ہمارا سماج آج بھی قبول نہیں کرتا۔

مراٹھی ناول نگار جیونت دلوی کے مراٹھی ناول "اردھانتری" پر مبنی اس سیریل میں عورت کی آزاد روش اور اس کے الجھے ہوئے کردار کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ اس سیریل کے ہدایت کار اجے سنہا کے مطابق :

"حسرتیں، میں سچ کو دکھایا جا رہا ہے اور یہ ایک ایسا سچ ہے جسے دیکھ کر لوگوں کو لگتا ہے کہ ہاں ایسا ان کے گھر کے اندر یا آس پاس ہو رہا ہے اس لئے لوگ 'حسرتیں' کو دیکھنا چاہتے ہیں۔"

(یگ شری ٹیلی ویژن، اگست 1997 عیسوی صفحہ 5)

فلموں اور ٹیلی ویژن پروگراموں کا سیدھا اثر ہمارے سماج پر پڑتا ہے۔ لیکن آج اس کاروبار سے جڑے بیشتر لوگ ایسے ہیں جو اپنے مفاد کی خاطر سماجی ذمہ داریوں سے منہ موڑتے جا رہے ہیں۔ اس سیریل میں بھی عورتوں کو شراب و سگریٹ کے علاوہ غیر مردوں کا کھلے عام استعمال کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

ہندوستانی سماج میں مردوں کی برتری اور تکبر کے درمیان عورتوں کے کردار کو اجاگر کرنے

والے اس سیریل کی کہانی اس کے بنیادی کردار ساوی کی کہانی ہے۔ ساوی کی پیدائش ایک مڈل کلاس فیملی میں ہوئی ہے۔ اس کے والد پنڈت دین دیال ایک مشہور موسیقار ہیں۔ انہوں نے کافی عمر گذر جانے کے بعد ایک جوان عورت سے شادی کی تھی۔ جب پنڈت جی اپنی بیوی کی جسمانی ضرورتیں پوری نہیں کر سکے تو وہ ان کے نوجوان طبلہ ساز کی طرف راغب ہوئی اور اس کے ساتھ رہنے کو چلی گئی۔ اس صدمے اور بدنامی نے پنڈت جی پر برا اثر ڈالا اور اس غم میں گھلتے گھلتے ایک دن ان کی موت واقع ہو گئی۔ ساوی بچپن میں ہی یتیم ہو گئی اور اسے زندگی کی تلخ سچائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر ساوی کی پرورش اس کی پھوپھی نے کی مگر وہ اسے ہر وقت طعنے دیا کرتی کہ اس کی ماں ایک طبلہ ساز کے ساتھ فرار ہو گئی۔ ساوی بڑی ہوتی گئی لیکن اس پر سخت پابندیاں عائد تھیں۔ کسی بھی لڑکے سے ملنا اس کی پھوپھی کو بالکل پسند نہیں تھا۔ لیکن کسی طرح اس کی دوستی ستیش نامی ایک لڑکے سے ہو جاتی ہے۔ جب ساوی کی پھوپھی کو اس کی خبر ملتی ہے تو وہ آگ بگولہ ہوتی ہے اور اس پر سخت پابندیاں عائد کر دیتی ہے۔ ادھر ستیش کی ماں بھی اس کے ساوی سے ملنے پر روک لگا دیتی ہے۔ اس سے ستیش پریشان ہو جاتا ہے اور تنگ آکر ایک دن خودکشی کر لیتا ہے۔ ساوی کو اس کی موت کا بہت صدمہ ہوتا ہے۔

ایک دن ساوی کے پھوپھا نے موقع کا فائدہ اٹھا کر ساوی کے ساتھ بدسلوکی کرنے کی کوشش کی۔ خطرے کا احساس ہوتے ہی اس کی پھوپھی نے ساوی کی شادی کرا دینے کی ٹھان لی اور جلد ہی اس کی شادی پروفیسر شیام ورما نامی ایک آدمی سے ہو جاتی ہے۔ اب ساوی کی زندگی سکون سے کٹنے لگی لیکن ایک دن شیام کو ایک خط پڑا مل گیا جو کبھی ستیش نے ساوی کو بطور محبت نامہ بھیجا تھا۔ شیام کو ساوی کے کردار پر شک ہونے لگتا ہے اور جب ان کے گھر بیٹا پیدا ہوتا ہے تو صرف ساوی کو اذیت دینے کی غرض سے شیام اس کا نام ستیش رکھ دیتا ہے۔

دو سال میں ہی ساوی اپنی گھریلو زندگی سے اوب جاتی ہے اور شیام کے منع کرنے کے باوجود ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں نوکری کر لیتی ہے۔ اگرچہ شیام اس بات سے سخت ناراض رہتا ہے لیکن پھر ساوی کے ارادے کو دیکھتے ہوئے خاموش ہو جاتا ہے۔ ادھر ساوی جس ایجنسی میں کام کرتی ہے اسے کیٹی نامی ایک شخص خرید لیتا ہے اور جب اس کی نظر ساوی پر پڑتی ہے تو وہ اسے حاصل کرنے کی ٹھان لیتا ہے۔ اپنے اسی منصوبے کے تحت وہ ساوی کو مستقل ترقی دیتے ہوئے جنرل منیجر بنا دیتا ہے۔

ادھر ساوی بھی اس کے قریب آتی جارہی ہے اور اب وہ اپنے گھر اور بچوں پر کم دھیان دینے لگی۔ شیام کو یہ باتیں بہت بری لگتی تھیں اور وہ اکثر ساوی سے اس معاملے پر لڑتا تھا لیکن اپنے بچے کی خاطر وہ ایک دوسرے سے نباہنے کی کوشش کرتے رہے۔ ساوی نے اب زیادہ وقت گھر سے باہر گذارنا شروع کر دیا اور شیام سے اس کا جھگڑا بڑھتا گیا بالآخر شیام ایک دن ساوی کی زندگی سے اپنے بچے کو لے کر الگ ہو گیا۔ شیام کی جگہ کیٹی نے لے لیا اور ساوی اس کے ساتھ رہنے لگی۔ کیٹی کی بیوی نے اس کی سخت مخالفت کی اور اپنے بچوں کو لے کر وہ اپنے ساس و خسر کے گھر چلی گئی۔

ساوی ایک بچی کو جنم دیتی ہے جسے کیٹی اپنی اولاد ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس موضوع پر دونوں کے درمیان تکرار ہوتی ہے اور ان کے درمیان فاصلے بڑھنے لگتے ہیں پھر ساوی ایک دن کیٹی سے الگ ہو جاتی ہے۔ اس کہانی کے ساتھ ہی دوسری طرف سشما نامی ایک لڑکی کی کہانی بھی چلتی ہے جو ساوی کی دوست ہے لیکن وہ بھی بغیر شادی کے اپنے عاشق کے ساتھ رہ رہی ہے اور اسکی ایک بیٹی بھی ہے۔ یوں کہانی بڑھتی رہتی ہے۔ اس سیریل کی نشریات ابھی جاری ہیں۔

اس سیریل کی تکنیک شاندار ہے۔ انسانی جذبات و احساسات کی عکاسی بڑی خوبی سے کی گئی ہے۔ اس میں ناظرین کے جذبات کو اکسانے اور بھڑکانے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔ تنازعہ اور مشہور بنانے کے ارادے سے کئی قسطوں میں فحاشی اور عریانیت بھی دکھائی گئی ہیں۔ ایک قسط میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ساوی غسل خانے سے نہا کر اپنے کپڑے لینے کی غرض سے بالکل ننگی حالت میں باہر آتی ہے جہاں اس کا عاشق بیٹھا ہوا ہے وہ اسے دیکھ کر جذبات میں آجاتا ہے اور ساوی سے لپٹ جاتا ہے دونوں ایک دوسرے سے کافی دیر ہم آغوش رہتے ہیں۔ اس سین کو اگرچہ کیمرہ دور رکھ کر لیا گیا تھا لیکن طویل وقفے تک اسی سین پر کیمرہ مرکوز رکھا گیا تاکہ ناظرین کو سارے حالات بخوبی دکھائی دیں۔ آج تکنیک کے طور پر فلموں یا سیریلوں میں ایک دو ایسے منظر ضرور ڈالے جاتے ہیں جن سے تنازعہ اٹھ کھڑا ہو اور پھر اس کی تشہیر کی جاتی ہے تاکہ ناظرین کی تعداد میں اضافہ کیا جاسکے۔ آج ٹیلی ویژن کے بیشتر سیریلوں میں اسی فارمولے پر عمل کیا جارہا ہے۔

زبان کے اعتبار سے ہندی کے اس سیریل میں عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے۔ اردو اور ہندی کے ثقیل الفاظ کے علاوہ انگریزی کا استعمال بھی بکثرت ملتا ہے۔ انگریزی کے کچھ مکالمے غیر

ضروری طور پر لمبے کر دیئے گئے ہیں جن سے ناظرین کو اکتاہٹ کا احساس ہوتا ہے اردو کے جملے بھی اکثر سننے کو ملتے ہیں۔ جیسے "تم میری زندگی کی وہ شمع ہو جس کا کوئی بھروسہ نہیں" ہندی وانگریزی کا مشترکہ استعمال بھی کثرت سے کیا گیا ہے۔ جیسے "گنگا اشنان سے بات نہیں بنے گی، یو ہیو ٹوڈائی" وغیرہ

زی ٹی وی پر نشر ہو رہے اس سیریل کے ہدایت کار اجے سنہا ہیں جب کہ کہانیاں اور مکالمے لکھنے کا کام اشوک پٹول کر رہے ہیں۔

اتہاس

کہا جاتا ہے کہ تاریخ خود کو دہراتی ہے اور اسی خیال کے مد نظر یہ سیریل "اتہاس" بنایا گیا۔ گو کہ تاریخ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ یہ سیریل بار بار اپنے تین بنیادی کرداروں کے ماضی میں چلا جاتا ہے اور فلیش بیک کے ذریعہ کہانی آگے بڑھتی ہے۔

اس سیریل کی کہانی آج سے تیس سال قبل کی جوان نسلوں اور آج کی جوان نسلوں کے درمیان آئی مختلف تبدیلیوں پر مبنی ہے۔ ساتھ ہی اس میں عورت کے ذریعہ سماج کے بندھے ٹکے اصولوں کی خلاف آواز بلند کرنے اور اپنے حقوق کی خاطر جدوجہد کرنے کی بھی داستان ہے۔ اس میں احمد آباد جیسے نسبتاً چھوٹے شہر سے ممبئی آنے والی ان تین بہنوں کی کہانی ہے جو ایک دوسرے سے پیار تو کرتی ہیں لیکن حسد کا بھی شکار ہیں۔ چالیس سال سے زائد عمر کی یہ تینوں عورتیں عمر کے اس مقام پر پہنچ گئی ہیں جہاں ان کے خیالات ان کے بچوں کے خیالات سے مطابقت نہیں رکھتے اور دونوں نسلوں میں ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔ وہ ان کے کام کے طریقوں کا اپنے جوانی کے دنوں سے موازنہ کرتی ہیں اور اس طرح کہانی فلیش بیک میں چلی جاتی ہے۔

یہ تینوں عورتیں آپس میں سگی بہنیں ہیں لیکن ان کی آپسی رنجش سے ان کے شوہر بھی پریشان رہتے ہیں۔ یہ تینوں عورتیں سماج میں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان کے بیٹے بیٹیاں بھی اب جوان ہو چکے ہیں اور کالج میں پڑھتے ہیں۔ کالج کی ٹرسٹی ایک

خوبصورت عورت امیکا ہے جو سنیتا اور شیتل دو بہنوں کی رنگین جوانی کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے ۔وہ ان رازوں کا انکشاف کر کے دونوں کی زندگی میں طوفان برپا کر دیتی ہے۔بات تیزی سے پھیلتی ہے اور ہر طرف اس کے چرچے ہونے لگتے ہیں جس سے دونوں خاندانوں کی عزت خاک میں مل جاتی ہے ۔ساتھ ہی سماج کے کچھ بارتبہ لوگوں کے راز بھی افشا ہونے لگتے ہیں۔پتہ چلتا ہے کہ سماج میں اتنی عز ت واحترام سے دیکھے جانے والے لوگ اپنے ماضی میں اسی سماج کے دشمن تھے، جنھوں نے کئی خاندانوں کی عزت خاک میں ملادی تھی اس طرح امیکا کئی باوقار لوگوں کے برے کرتوتوں کو بے نقاب کرتی ہے۔

یہ تینوں بہنیں اپنے ماضی سے لڑتے ہوئے اپنی موجودہ حیثیت کو محفوظ رکھنے کی حتی الامکان کوشش کرتی ہیں۔ساتھ ہی آپسی غلط فہمیوں کی وجہ سے ان کے آپسی تعلقات بھی کشیدہ رہتے ہیں جن سے ان کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ساتھ ہی ان کی اولادوں کو بھی ایسے حالات سے گذرنا پڑتا ہے جہاں ان کی اپنی شناخت گم ہو جاتی ہے وہ لاچار و مجبور دکھائی دیتے ہیں اور انہیں اپنی ماں کی غلطیوں کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑتا ہے۔آگے چل کر یہ نسل خود کو بہتر انسان بنانے کی کوشش کرتی اور سماج میں اپنا مقام بناتی ہے۔ان کے اچھے کاموں کی وجہ سے کھوئی ہوئی عزت بھی آہستہ آہستہ واپس آتی ہے۔اس طرح یہ سیریل کامیاب انسانوں کی زندگی پر آکر ختم ہو جاتا ہے۔

تکنیکی اعتبار سے اس سیریل میں کوئی کمزوری نظر نہیں آتی۔مناظر اور مکالمے بھی موضوع کے اعتبار سے شامل کئے گئے ہیں۔تین خاندانوں کے درمیان گھومتے اس سیریل میں کبھی کبھی بیرونی کرداروں کے ذریعہ بھی اہم مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ساتھ ہی ہدایت کار نے یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ والدین کے ذریعہ کئے گئے برے کاموں کی سزا ان بچوں کو بھگتنی پڑتی ہے اور وہ بھی کم وبیش اسی راستے پر چل پڑتے ہیں۔

زبان کے تعلق سے ہندی کے اس سیریل میں عام فہم بولی کا ہی استعمال ہوا ہے۔ہدایت کار نے موقع محل کے اعتبار سے انگریزی کے مکالمے بھی شامل کئے ہیں جو حالات کے اعتبار سے مناسب نظر آتے ہیں۔

دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر ہوئے اس سیریل کے ہدایت کار گوگی آنند ہیں جب کہ

کہانیاں اور مکالمے لکھنے کا کام دنود رنگنا تھن نے کیا ہے۔

عورت

آج بھی سماج میں عورتوں کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جس کی وہ حقدار ہیں۔ اس کی حیثیت محض ایک خدمت گار کی سی ہے۔ آج بھی لوگ لڑکیوں کی پیدائش کو منحوس مانتے ہیں جب کہ آج عورتوں نے بھی اپنی منفرد شناخت بنانی شروع کر دی ہے۔ یہ سیریل سماج میں عورتوں پر ہو رہے مظالم کے خلاف ایک عورت کے آواز بلند کرنے اور اپنے حق کی خاطر جدوجہد کرنے جیسے موضوعات پر مبنی ہے۔ اس میں جہاں ایک عورت مردوں کے استحصال کا شکار ہے اور ان کی باتیں ماننے پر مجبور رہے وہیں دوسری عورت ان سماج دشمن عناصر کے خلاف آواز بلند کرتی نظر آتی ہے۔

اس سیریل کی شروعات خواتین کے ایک رسالہ کی صحافی، رچا سے ہوتی ہے جو رسالہ کے لئے فیشن کا شعبہ دیکھتی ہے۔ اپنے کام کے سلسلے میں اسے فیشن انڈسٹری کے لوگوں سے ملاقاتیں کرنی پڑتی ہیں۔ اسی سلسلے میں ایک دن اس کی ملاقات ایک کمپنی کے مالک سے ہوتی ہے۔ جو رچا کی خوبصورتی دیکھ کر اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اسے صحافی کی نوکری چھوڑی کر اپنی کمپنی کی مصنوعات کے لئے ماڈلنگ کرنے کی پیش کش کرتا ہے۔ لیکن رچا اس میں دلچسپی نہیں لیتی ہے۔

ایک دن رچا کے شوہر آلوک کی ایک حادثے میں موت ہو جاتی ہے۔ رچا کو بہت صدمہ پہنچتا ہے۔ وہ بالکل ٹوٹ جاتی ہے لیکن اپنی بیٹی کی خاطر اپنی زندگی کی گاڑی کھینچتی رہتی ہے۔ اب اس کا مقصد اپنی بیٹی کی اچھی پرورش کرنا اور اپنے مرحوم شوہر کی خواہش کے مطابق اسے ایک اچھا وکیل بنانا ہے۔ اپنے شوہر کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرنے کا تہیہ کر لیتی ہے۔ لیکن رچا کی نوکری گھریلو الجھنوں کے باعث چھوٹ جاتی ہے۔ وہ معاشی بحران کا شکار ہوتی ہے اور اس کے پاس اپنی بیٹی کے اسکول خرچ کے لئے بھی رقم نہیں ہے۔ اپنی بیٹی کی تعلیم کی خاطر وہ دوبارہ اس شخص کے پاس جاتی ہے جس نے کبھی اسے ماڈلنگ کی پیش کش کی تھی۔ وہ شخص اپنی شرطوں پر اس

سے معاہدے کے کاغذات پر دستخط کرالیتا ہے۔ رچا حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر روشی کے نام سے ایک گلیمرس ماڈل بن کر دنیا کے سامنے آتی ہے۔ اگر چہ اسے یہ کام بالکل پسند نہیں لیکن مجبوری کی وجہ سے اسے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ وہ اپنے کاروباری مالکوں کی غلام بن جاتی ہے جو اس کا بھرپور استحصال کرتے ہیں۔ رچا کی ساس اس کی مجبوری کو سمجھتے ہوئے خاموش رہتی ہے۔ رچا ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتی ہے جو اس کا جسمانی استحصال بھی کرتے ہیں۔

وقت گذرتا جاتا ہے اور رچا ایک کامیاب اور مشہور ماڈل بن جاتی ہے۔ رچا کی بیٹی بھی جوان ہو چکی ہے اور اس کی قانون کی پڑھائی بھی مکمل ہونے کو ہے۔ اسی درمیان ایک دن رچا کے کاروباری مالکوں کی نظر اس کی بیٹی پر پڑ جاتی ہے۔ وہ لوگ رچا کے بعد اب اس کی بیٹی کو بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب وہ لوگ رچا سے اس کی بیٹی کے بارے میں پوچھتے ہیں تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہو جاتی ہے اور ان لوگوں سے اس کی لڑائی ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ رچا سے زبردستی کرنے لگتے ہیں اور اسی بیچ رچا کے ہاتھوں میں پھل کاٹنے والا چاقو آجاتا ہے۔ وہ اپنے بچاؤ میں اسے ایک شخص کے پیٹ میں اتار دیتی ہے جس سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ رچا کو قتل کے جرم میں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جاتا ہے۔

یہاں سے کہانی ایک نیا رخ اختیار کرتی ہے اور اب ایک عورت مردوں کے مقابلے میں کھڑی ہوتی ہے۔ رچا کی بیٹی اب وکیل بن چکی ہے اور وہ اپنی ماں پر ہوئے ہر ظلم کا بدلہ لے کر ظالموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانے کی ٹھان لیتی ہے۔ وہ اپنی ماں سے کہتی ہے کہ اس نے جو پریشانیاں جھیلیں اور جن مظالم کو خاموشی سے برداشت کیا وہ ان سب کا گن گن کر بدلہ لے گی۔ اس نے خود ہی اپنی ماں کا مقدمہ لڑنا شروع کیا اور عدالت میں یہ ثابت کر دیا کہ اس کی ماں نے قتل جان بوجھ کر نہیں کیا تھا بلکہ اپنی حفاظت کرتے ہوئے اس سے یہ قتل سرزد ہو گیا تھا۔ عدالت کا فیصلہ اسی کے حق میں ہوتا ہے اور اس کی ماں کو باعزت بری کر دیا جاتا ہے۔

اب رچا کی بیٹی کی کہانی آگے بڑھتی ہے۔ اسے ایک لڑکے سے محبت ہو جاتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں اور شادی کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ اسی درمیان یہ پتہ چلتا ہے کہ اسکے والد کی موت کسی حادثے میں نہیں بلکہ سازش کے تحت واقع ہوئی تھی۔ اب وہ اپنے باپ کے

قاتلوں کا سراغ پانے میں لگ جاتی ہے اور ایک دن اسے پتہ چلتا ہے کہ جس لڑکے سے وہ محبت کرتی ہے وہ اس کے باپ کے قاتل کا بیٹا ہے۔ اسے بہت صدمہ پہنچتا ہے۔ ایک طرف اس کی محبت ہے تو دسری طرف اس کے باپ کا قاتل ہے۔ بالآخر وہ اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے اور مجرموں سے لڑنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ عدالتی کاروائیوں میں بحث مباحثے اور ثبوت کے بعد ان لوگوں کو عمر قید کی سزا ہو جاتی ہے۔ اس طرح مختلف معاملات کو حل کر کے یہ کہانی انجام پذیر ہوتی ہے لیکن اس سیریل میں جگہ جگہ پر شادی شدہ مردوں کے غیر عورتوں سے جسمانی تعلقات اور اونچے اور شریف گھرانوں کی عورتوں کے غیر مردوں سے دوستی کرنے کی مثالیں بھی بکثرت موجود ہیں۔

تکنیکی اعتبار سے پراڈکشن کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کے باوجود ہدایت کار نے بہت محنت سے اسے ترتیب دیا ہے۔ کہانی میں ربط برقرار رکھنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں پر مکالموں کی طوالت بھی پریشانی کا باعث ہے اور ناظرین کو اکتاہٹ ہونے لگتی ہے۔ زبان کے اعتبار سے اس پورے سیریل میں عام فہم زبانوں کا ہی استعمال ہوا ہے لیکن انگریزی کا بھی استعمال کثرت سے ملتا ہے جو ضرورت اور موقع محل کے اعتبار سے مناسب ہے۔

دودرشن کے نیشنل چینل پر ہر تا جمعہ کو بارہ بجے دن میں نشر ہوئے اس سیریل کی کہانیاں و مکالمے مشہور و معروف ادیب ڈاکٹر اچلا نا گر نے لکھی ہیں جب کہ ہدایت کار کے فرائض انل ڈھانڈہ نے ادا کیے ہیں۔

سانس

انسانی زندگی کا سارا دارومدار اس کی سانسوں پر ہے اور زندگی کا کھیل تب تک جاری رہتا ہے جب تک سانسیں قائم ہیں۔ زندگی ہمیشہ خوش نمابنی رہے اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان زندگی جینے کے نت نئے راستوں کی تلاش کرتا رہے۔ انھیں موضوعات پر مبنی یہ سیریل "سانس" ہے جو اسٹار پلس پر نشر کیا جارہا ہے۔

فلموں اور ٹیلی ویژن کی مشہور اداکارہ، نینا گپتا اس سیریل کی ہدایت کار ہیں اور انہوں نے خود ہی اس کے مرکزی کردار کی ذمہ داریاں بھی نبھائی ہیں۔ وہ اس کے عنوان کے متعلق کہتی ہیں :

"اس سیریل کا عنوان مشہور شاعر گلزار صاحب نے دیا ہے۔ ہماری زندگی میں سانسوں کی ہی اہمیت ہے اور ہماری زندگی سے قریب اس سیریل کا نام 'سانس' سے بہتر کیا ہو سکتا تھا"

اس سیریل کی ابتداء بھی گلزار صاحب کی اس نظم سے ہوتی ہے۔

سانسیں صدا نہیں رہتیں
کبھی کبھی مر جاتی ہیں، کبھی کبھی جی اٹھتی ہیں۔
خوشبو کی طرح کھل جاتی ہیں۔
جب زلف کہیں ڈھل جاتی ہیں
سانسیں صدا نہیں رہتیں....

یہ سیریل گوتم نامی ایک شریف انسان اور اس کے خاندان کی کہانی ہے۔ گوتم کی بیوی پریا (نینا گپتا)، بیٹا انکول اور بیٹی، میٹھی کے علاوہ اس کی ساس پر مبنی یہ پورا خاندان خوش حال زندگی گذار رہا ہے۔ لیکن ایک پارٹی میں گوتم کی ملاقات ایک خوبصورت لڑکی، منیشا سے ہوتی ہے۔ جس کے شوہر کی موت ایک سڑک حادثے میں ہو گئی ہے۔ اب وہ اپنی ایک دوکان چلاتی ہے۔ گوتم کو اس لڑکی سے ہمدردی ہوتی ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی گوتم کی اس سے ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں اور وہ دھیرے دھیرے منیشا سے قریب ہو جاتا ہے۔

منیشا کو لے کر گوتم کے خاندان میں تنازعہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ گھر کا ماحول بگڑتا ہے اور اس کا اثر بچوں پر بھی پڑتا ہے۔ پریا اس صورت حال سے پریشان ہے اور آئے دن گوتم سے اس کی تکرار ہوتی رہتی ہے۔ دوسری طرف گوتم گھر کے ماحول اور پریا کے طنز سے بچنے کے لئے منیشا سے باقاعدگی سے ملنے لگتا ہے۔ اس طرح بات اتنی بگڑتی ہے کہ پریا گوتم کا گھر چھوڑ کر الگ رہنے چلی جاتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے جاتی ہے۔ ادھر منیشا کے چچا اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، لیکن منیشا گوتم کے ساتھ ہی رہنے لگتی ہے۔۔

گوتم کی بہن شکنتلا کے خاندان پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے اور شکنتلا کا شوہر، سوری، جو وکیل

ہے، منیشا کے متعلق معلومات بہم پہونچاتا ہے۔ وہ شبہ ظاہر کرتا ہے کہ منیشا خود ہی اپنے شوہر کی موت کا باعث بنی تھی۔ وہ گوتم کو ان باتوں سے آگاہ کرتا ہے اور اسے پریا کے پاس لوٹ جانے کی صلاح دیتا ہے۔ ان سب باتوں سے گوتم پریشان رہنے لگتا ہے۔ اس کے بزنس پر بھی اس کا برا اثر پڑتا ہے اور وہ اب اخراجات کے لئے قرض لینے لگتا ہے۔ پریا بھی نوکری کر لیتی ہے اور بچوں کی پڑھائی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بچے اپنے باپ سے ملتے رہتے ہیں اور اس سے واپس لوٹ آنے کی التجا کرتے ہیں۔

ادھر شکنتلا کے گھر میں بھی ایسے ہی حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ گوتم ان تمام حالات سے مجبور ہو کر پریا کے پاس لوٹ آتا ہے۔ اس کے آجانے سے گھر میں خوشیاں دوبارہ لوٹ آتی ہیں اور زندگی معمول پر آجاتی ہے۔ شکنتلا کے گھر میں بھی حالات سازگار ہوتے ہیں۔ ایک دن اچانک فون آتا ہے کہ منیشا بہت بیمار ہے اور اسپتال میں داخل ہے اور اس کے بچنے کی امید بہت کم ہے۔ گوتم کو اسے دیکھنے کے لئے جانا پڑتا ہے۔ منیشا کو آپریشن سے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے جسے ڈاکٹر ساری تجویزوں کے باوجود نہیں بچا پاتے۔ گوتم منیشا کی وجہ سے کافی دنوں تک اس کے پاس ٹھہر جاتا ہے اور پھر ایک دن وہ منیشا کے ساتھ ہی الگ مکان میں رہنے لگتا ہے۔ پریا طلاق کے لئے عدالت میں درخواست دیتی ہے اور ایک دن دونوں میں طلاق ہو جاتی ہے۔ پریا اپنے بچوں کی خاطر نوکری کرتی ہے۔ گوتم بھی بچوں کی پڑھائی کے لئے عدالت سے طے کی گئی رقم دینے پر راضی ہے۔ اب پریا اپنے بچوں کے ٹیچر کے قریب آنے لگتی ہے۔ ادھر گوتم کی منیشا سے کسی نہ کسی بات کو لے کر تکرار ہوتی رہتی ہے اور ایک دن گوتم منیشا کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اجیت سر بھی پریا کے سامنے شادی کی پیشکش کرتے ہیں جس کا پریا فوراً کوئی جواب نہیں دیتی ہے۔ کہانی اٹھانوے قسطوں کے بعد بھی جاری ہے اور آگے اس میں کتنی تبدیلیاں آئیں گی یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

اس سیریل میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کی عمدہ عکاسی کی گئی ہے۔ ایک عورت اپنے خاندان، شوہر اور اس کی محبت کے درمیان زندگی گذارنے اور پریشانیوں سے نبرد آزما ہونے پر مجبور ہے۔ حقیقت سے قریب ایسے واقعات ناظرین کی توجہ کا باعث ہیں۔ ہدایت کار نے اس میں یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ کسی شخص کو اپنی ذمہ داریاں فراموش کر کے ایسے کوئی کام نہیں کرنے چاہئے

جن کا برا اثر اس کے پورے خاندان پر پڑتا ہو۔ ہر قسط میں کہانی کو ایک نیا موڑ دینے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ اس میں نیا پن برقرار رہے۔ موضوع کے علاوہ اس کی خوبصورت منظر نگاری نے بھی اس سیریل کی مقبولیت کو برقرار رکھا ہے۔

زبان کے اعتبار سے اس سیریل میں اردو الفاظ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ اگرچہ انگریزی اور ہندی کے جملے بھی موقع و محل کے اعتبار سے داخل کئے گئے ہیں۔ چند مکالموں پر غور کریں۔" لیکن آدمی جتنا ہی امپیرٹ (غیر حساس) کیوں نہ ہو جب جنازہ اٹھتا ہے، دل تو بھر آتا ہی ہے۔ "اور "اپنے ساتھی سے بچھڑ جائے ایسا تو کوئی نہیں چاہتا لیکن جب راستے ہی الگ ہوں تو کوئی کیا کرے" یا پھر انگریزی اور اردو کے مشترکہ استعمال کی یہ مثال۔ "ناٹ فیلنگ گڈ (Not Feeling Good)۔ عجیب سا لگ رہا ہے، کچھ کرنے کو دل نہیں کر رہا" یا "منیشا نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا کہ اس نے لبارشن کرالیا ہے۔ تاکہ وہ مجھ سے دور چلی جائے اور میں تمہارے پاس لوٹ آؤں" وغیرہ جملے سیریل میں کثرت سے ملتے ہیں۔

میر منیر کی کہانیوں پر مبنی اس سیریل کے مکالمہ نگار برج کرپال ہیں۔

انسانی جذبات کو پیش کرنے والے سیریل

یوں تو آج ہر سیریل کسی نہ کسی شکل میں انسانی جذبات کی کہانی پیش کر رہے ہیں لیکن یہاں ایسے دو منتخب سیریلوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جو انسانی احساسات اور جذبات کی خوبصورت عکاسی کرتے ہیں۔

تھوڑا ہے تھوڑے کی ضرورت ہے

سٹیلائٹ چینلوں کے بڑھتے اثر ورسوخ کے ساتھ ٹیلی ویژن پر مغربی تہذیب اور جدید دور

کے ماحول پر بنے سیریلوں کی نشریات کثرت سے ہو رہی ہیں جن میں ہندوستانی معاشرے کو نظر انداز کر کے مغربی طور طریقے کو بڑھاوا دیا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے آج روایتی ہندوستانی معاشرہ تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے۔ لیکن ایسے حالات میں آج بھی ہماری تہذیب اور معاشرے کی بقاء کے لئے کچھ لوگ مستقل کار فرما ہیں۔

ہندوستانی تہذیب ومعاشرے کی عکاسی کرنے والا یہ سیریل سونی چینل پر نشر ہوا ہے۔ عام زندگی کی داستانوں کو پیش کرتا ہوا یہ سیریل ناظرین کے درمیان کافی مقبول تھا۔ دراصل اس سیریل میں ایک ایسے شخص کی کہانی دکھائی گئی ہے۔ جس نے اپنی پوری زندگی کو اپنے دو بیٹوں کو لائق شہری بنانے میں صرف کر دی ہے۔

اوسط طبقے کے ایک خاندان کی اس کہانی میں پروفیسر صاحب نے اپنے بیٹوں کے تابناک مستقبل کے لئے انہیں اچھی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہر طرح سے ایک کامیاب انسان بنانے کی کوشش کی ہے۔ وقت کے ساتھ دونوں بیٹے بڑے ہو جاتے ہیں۔ بڑا بیٹا وشال پڑھائی کے دوران ہی ایک کمپنی میں نوکری کرنے والی کویتا نام کی لڑکی سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اگرچہ کویتا کی کمپنی کا مالک اور کویتا کی بڑی بہن کا دیور بھی اسے پسند کرتے اور اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں، لیکن کویتا صرف وشال سے پیار کرتی ہے اور اس سے شادی کرنے اور ایک اچھی بہو بن کر ساس وسسر کی خدمت کرنے کی غرض سے وہ نوکری چھوڑ دیتی ہے۔ وشال کو شادی کے بعد ایک نوکری مل جاتی ہے۔ اسی بیچ اس کے والد بھی ریٹائر ہو جاتے ہیں۔ پھر وشال کے گھر ایک بچی کا جنم ہوتا ہے جس سے پورے گھر میں خوشیاں آجاتی ہیں۔ یہاں پر یہ بتادوں کہ آج جہاں ہمارے سماج میں بیٹی کی پیدائش کو معیوب اور منحوس سمجھا جاتا ہے وہیں اس سیریل میں بیٹی کی پیدائش پر خوشیاں منائی گئیں اور یہ پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اولاد کے طور پر بیٹا اور بیٹی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ادھر پروفیسر صاحب اور ان کی بیگم بہت خوش ہیں کہ بیٹے کی طرح بہو بھی ان کی بہت عزت کرتی ہے۔

کہانی میں ایک نیا موڑ تب آتا ہے جب شہر میں ہوئے ایک فساد کے دوران وشال اچانک غائب ہو جاتا ہے۔ گھر والے اسے فساد کا شکار مان کر غم اور صدمے سے نڈھال ہیں۔ گھر کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے کیونکہ سب کے لئے روٹی کمانے والا اچانک سے گذر گیا ہے۔ رشتہ داروں نے بھی نظریں

پھیر لی ہیں۔ مصیبت اور پریشانی نے چھوٹے بیٹے، کرن کو وقت سے قبل ہی ذمہ دار اور بڑا بنا دیا ہے وہ پڑھائی چھوڑ کر نوکری کی تلاش شروع کرتا ہے۔ پروفیسر صاحب بھی حالات سے مجبور ہو کر خود بھی ایک چھوٹی سی نوکری کر لیتے ہیں۔ کویتا کے والدین چاہتے ہیں کہ وہ دوسری شادی کر لے لیکن کویتا اپنی بچی اور سسرال کی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے انکار کر دیتی ہے اور ساس و سسر کی خدمت اور وشال کی یاد میں زندگی گذارنے کا تہیہ کر لیتی ہے۔ کبھی کبھی تھوڑی بہت تشنگی بھی گھر میں دکھائی دیتی ہے جو عموماً ایسے حالات میں پیدا ہو جاتی ہے۔ وشال کی ماں کو یقین ہے کہ اس کا بیٹا زندہ ہے اور وہ ہمیشہ اس مسئلے پر اپنے شوہر سے لڑتی ہے۔ آخری قسط میں یہ دکھایا گیا کہ وشال فساد میں کافی زخمی ہو جانے اور یادداشت کھو جانے کی وجہ سے ایک شخص کے ساتھ رہتا ہے اور اچانک اس کی یادداشت واپس آجاتی ہے اور وہ ایک دن اپنے گھر واپس آجاتا ہے۔

اس سیریل میں تمام پریشانیوں کے باوجود انسانی جذباتوں اور اخلاقی قدروں کو برقرار رکھنے کی جو کوشش کی گئی ہے اور جس طرح کی منظر نگاری سے اسے پیش کیا گیا ہے وہ دلکش اور سبق آموز ہے۔ بہو کا اپنے ساس و خسر سے نیک برتاؤ اور دیور کا بھابھی سے حسن و سلوک ہمارے سماج کو ان رشتوں کی اہمیت کا اندازہ کراتا ہے۔ انسانی جذبات و احساسات اور رشتوں کی باریکیوں کو نہایت خوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تکنیکی طور پر چند چھوٹی خامیوں کے باوجود اس سیریل میں حالات کے اعتبار سے منظر کشی مناسب اور موزوں ہے جس سے ناظرین کو تشنگی کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ مکالمے کہیں اپنی طوالت کی بناء پر اکتاہٹ کا سبب بھی بنتے ہیں۔

اس سیریل میں اردو کے جملے بھی اکثر استعمال کئے گئے ہیں لیکن عام طور پر روزمرہ کی زبان کا ہی استعمال ہوا ہے جس میں اردو کے الفاظ کی کثرت ہے۔ انگریزی کا استعمال بھی کردار کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔ سونی چینل پر نشر ہوئے اس سیریل کے ہدایت کار روی رائے ہیں جنہوں نے اس سے قبل "امتحان" اور "سیلاب" جیسے سیریل بھی پیش کئے ہیں، کہانی بھی انہوں نے خود ہی لکھی ہے۔

تنہا

پاکستانی مصنفہ حسینہ معین کی کہانیوں پر مبنی جدید مسلم معاشرے کی عکاسی کرنے والے اس سیریل کو مشہور سیاست داں اور مہاراشٹر کے سابق وزیر اعلیٰ و مرکزی وزیر عبدالرحمٰن انتولے کے صاحب زادے نوید انتولے بنا رہے ہیں۔ واضح رہے کہ حسینہ معین نے پاکستانی ٹیلی ویژن کے لئے "دھوپ کنارے" "تنہائیاں" اور "ان کہی" جیسے کامیاب سیریلوں کی کہانیاں بھی لکھی ہیں۔

"تنہا" کی کہانی رحمان خاندان کی سرپرست شکیلہ بیگم کی کہانی ہے جو اپنے شوہر کی وفات کے بعد ان کے کاروبار کی دیکھ بھال خود کرتی ہیں۔ وہ ایک مہذب اور ترقی یافتہ مسلم خاندان کی باوقار اور بارسوخ عورت ہیں۔ ان کے بیٹے بیٹیاں بھی تعلیم یافتہ ہیں۔ بڑا بیٹا عارف ایک بینک میں نوکری کرتا ہے۔ جبکہ چھوٹا بیٹا علی اپنی پڑھائی مکمل کر کے نوکری کی تلاش میں ہے۔ صبح کی سیر کے دوران اس کی ملاقاتیں ایک ریٹائرڈ افسر سے ہوا کرتی ہیں جو صبح کی سیر کو وہاں آتے ہیں۔ وہ علی کو پریشان دیکھ کر اسے ایک سفارشی خط دیتے ہیں۔ جس کی بدولت علی کو ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں نوکری مل جاتی ہے۔ جس کی ڈائرکٹر ایک لڑکی ہے جو علی کے ساتھ بہت سختی سے پیش آتی ہے۔ علی کی چھوٹی بہن نادیہ ایک کالج میں پڑھتی ہے جب کہ بڑی بہن رخسانہ کی شادی ہو چکی ہے۔ لیکن اس کا شوہر کسی اور لڑکی کی محبت میں گرفتار ہے اور وہ اپنی بیوی کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ رخسانہ اس غم میں گھلتی رہتی ہے اور اپنے شوہر کی بیوفائی پر آنسو بہاتی ہے۔ لیکن وہ ان باتوں کی خبر اپنی ماں یا بھائیوں کو نہیں ہونے دیتی اور ایک دن اس غم سے چھٹکارا پانے کی کوشش میں زہر کھا کر خودکشی کر لیتی ہے۔ رخسانہ کی موت کا بہت گہرا صدمہ سارے خاندان کو ہوتا ہے۔ شکیلہ بیگم خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ دوسروں پر اس کا زیادہ اثر نہ پڑے۔ سبھی رشتہ دار شکیلہ بیگم اور ان کے خاندان کو دلاسہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ادھر عارف جس بینک میں نوکری کرتا ہے اس کے چیرمین کی بیٹی، شان زیب اپنی تعلیم مکمل کر کے آسٹریلیا سے واپس آتی ہے اور اپنے باپ کے اصرار پر نہ چاہتے ہوئے بھی عارف کی نگرانی میں بینک میں نوکری کرتی ہے۔ عارف سے ابتدائی نوک جھونک کے بعد دھیرے دھیرے دونوں

ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں اور ایک دن ان کی منگنی ہو جاتی ہے۔

کہانی میں ایک نیا موڑ تب آتا ہے جب عامر نام کا ایک لڑکا شکیلہ بیگم کو فون کرتا ہے۔ دراصل عامر شکیلہ بیگم کا وہ بیٹا ہے جسے بچپن میں ہی اس کے والد کے دوست نے اغوا کر لیا تھا۔ اب اچانک جوان ہو کر شکیلہ بیگم کے سامنے آنے سے وہ گھبرا جاتی ہیں کہ اپنے بچوں کو کیا جواب دیں گی۔ وہ اس فراق میں رہتی ہیں کہ عامر ان کے گھر نہ آجائے اور ایک نئی مصیبت نہ کھڑی ہو جائے لیکن وہ ایک بار شکیلہ بیگم سے ملاقات کر کے چلا جاتا ہے۔ اسی دوران عامر کی ملاقات ایک ہوٹل میں نادیہ سے ہو جاتی ہے۔ عامر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ نادیہ اس کی اپنی بہن ہے لیکن وہ یہ بات اس پر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ نادیہ اصرار کر کے عامر کو اپنے ساتھ گھر لاتی ہے۔ جہاں شکیلہ بیگم اسے دیکھ کر گھبرا جاتی ہیں لیکن نادیہ کے کہنے پر وہ عامر کو اس گھر میں رہنے کی اجازت دیتی ہیں۔ ایک دن شان زیب عامر کو یہاں دیکھ کر چونک جاتی ہے کیونکہ آسٹریلیا میں ان دونوں کی دوستی ہوا کرتی تھی۔ عارف کو یہ بات بری لگتی ہے اور وہ شان زیب سے دور رہنے لگتا ہے۔ اب گھر کا ہر فرد تناؤ کا شکار رہتا ہے۔ شان زیب کے والد اپنی بیٹی کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ ان کی بات نہیں مانتی ہے۔ اسٹار پلس پر اس سیریل کی نشریات ابھی جاری ہیں اور کہانی کیا رخ اختیار کرے گی یہ آئندہ قسطوں میں ہی واضح ہو سکے گا۔

تکنیکی اعتبار سے یہ سیریل کامیاب ہے۔ کہانی کو بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ کئی ذیلی کردار بھی شامل کیے گئے ہیں اور کئی رومانی کہانیاں بھی دکھائی جا رہی ہیں۔ مناظر کی تصویر کشی بہت دلکش ہے۔ کہانی میں ربط برقرار رکھنے کی کوشش کامیاب ہے اور ہر قسط میں کہانی کو ایک ایسے مقام پر ادھورا چھوڑا جا رہا ہے جس سے ناظرین کو آگے کی بات جاننے کی بے انتہا خواہش ہوتی ہے اور اس طرح وہ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار کرتا ہے۔

زبان کے اعتبار سے اسے اردو کا ایک عمدہ سیریل کہہ سکتے ہیں۔ نوے فی صدی مکالمے خالص اردو کے ہیں لیکن کہیں انگریزی کا بھی استعمال ہوا ہے جو کردار اور موقع کے اعتبار سے نہایت مناسب ہے۔ مکالموں سے تہذیب کی جھلک نمایاں ہے۔ جیسے "میں بھی بیٹی کا باپ ہوں اور جانتا ہوں کہ بیٹیاں کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے" یا پھر "جب زخم اتنے گہرے ہوں تو کوئی لفظ مرہم نہیں بن

سکتا۔ "اس طرح کے جملے بکثرت سننے کو ملتے ہیں۔ اس سیریل کی ابتداء جاوید اختر کی اس نظم سے ہوئی ہے۔

دیکھئے تو لگتا ہے، زندگی کی راہوں میں
ایک بھیڑ چلتی ہے
سوچئے تو لگتا ہے، بھیڑ میں ہیں سب تنہا
جتنے بھی یہ رشتے ہیں، کانچ کے کھلونے ہیں
پل میں ٹوٹ سکتے ہیں
ایک پل میں ہو جائے، کوئی جانے کب تنہا
دیکھئے تو لگتا ہے، جیسے یہ جو دنیا ہے، کتنی رنگیں محفل ہے
سوچئے تو لگتا ہے، کتنا غم ہے دنیا میں ؛ کتنا زخمی ہر دل ہے
وہ جو مسکراتے تھے جو کسی کو خوابوں میں اپنے پاس پاتے تھے
ان کی نیند ٹوٹی ہے اور وہ ہیں اب تنہا

اس سیریل کے ہدایت کار سدھارتھ سین گپتا ہیں۔ یہ سیریل اسٹار پلس چینل پر نشر ہو رہا ہے۔

جرائم اور سسپنس پر مبنی سیریل

کسی بھی کہانی میں اگر سسپنس ہو تو دلچسپی بنی رہتی ہے اور اگر یہ سسپنس کسی جرم سے متعلق ہو تو پھر تجسس کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ سسپنس کہانی کے بنیادی عنصر میں قبول کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ادب کی سنجیدہ اور مقبول تخلیقات میں بھی یہ عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ ادب کے بعد یہ سلسلہ سینما اور ٹیلی ویژن پروگراموں میں بھی شروع ہوا۔ اگرچہ ٹیلی ویژن پر یہ سلسلہ بہت پرانا نہیں ہے لیکن یہاں سب سے زیادہ تجربات ہوئے اور اسے کافی فروغ ملا۔

اگر آج ٹیلی ویژن کے مختلف چینلوں کی نشریات پر ایک نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ سسپنس اور جرائم پر مبنی سیریلوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہندوستان میں ٹیلی ویژن سیریلوں کی ابتداء سے ہی جاسوسی، سسپنس اور جرائم پر مبنی سیریلوں کی طرف بھی دھیان دیا گیا اور ناظرین نے انہیں پسند بھی کیا۔ ناظرین کی پسند کو بنیاد مان کر سیریلوں کو بنانے والوں نے تیزی سے ایسے سیریل بنانے شروع کر دیئے۔ "کرم چند" نے اس رجحان کو ایک نئی تحریک دی اگرچہ اس وقت "کرم چند" کی مقبولیت کے کئی وجوہ تھے۔ سب سے پہلی بات کہ کوئی دوسرا پروگرام مقابلے کو نہیں تھا۔ دوردرشن کا صرف ایک چینل ہی ٹیلی ویژن کے طور پر موجود تھا اس لئے ناظرین کے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ "کرم چند" کی مقبولیت کے بعد اسی طرز پر "ویوم کیش بخشی" نے بھی ناظرین کو کافی متاثر کیا۔ دھوتی کرتا پہنے اس جاسوس نے اس عقیدے کو بدلا کہ جاسوس کی آنکھوں پر کالا چشمہ اور سر پر ہیٹ ضرور ہوگی۔ "ویوم کیش بخشی" کی کہانیاں ہمارے آس پاس کے ماحول سے وابستہ تھیں۔

سٹیلائٹ چینلوں کی آمد کے بعد سب سے پہلے زی ٹی وی نے جاسوسی کہانیوں کی مقبولیت کو Exploit کرنے کی کوشش کی اور "ٹائگر" کے نام سے ایک سیریل کی نشریات شروع ہوئیں۔ لیکن اسکا اہم کردار ہی کارگر نہیں ہوا۔ لیکن "کمانڈر" کی شروعات نے ناظرین کو دوبارہ اس کی طرف متوجہ کیا۔ "کمانڈر" کے اہم کردار کی خود اعتمادی ناظرین کو بھی پسند آئی۔ اس کے بعد "تحقیقات" میں وجے آنند اور سوربھ شکلا کی جوڑی نے جاسوسی کارناموں کو ایک نئے انداز سے پیش کیا۔ اس سیریل میں سسپنس کے ساتھ دلچسپی کا عنصر بھی شامل تھا۔ کہانی میں رومانیت کا پہلو بھی نمایاں تھا اور ناظرین نے اسے بہت پسند کیا۔ اس کے بعد "رپورٹر" بھی کچھ اسی قسم کا سیریل تھا۔ شیکھر سمن کی بہترین اداکاری نے اسے بھی مقبول بنایا۔ اس کے بعد دوردرشن اور سٹیلائٹ چینل پر کچھ کوششیں ضرور ہوئیں لیکن انہیں کوئی خاص کامیابی نہیں ملی۔

حالیہ دنوں میں اس طرح کے بہت سے سیریل ٹیلی ویژن کے تقریباً سبھی ہندی چینلوں پر نشر ہو رہے ہیں۔ لیکن آج ان کے موضوعات مختلف ہیں۔ الگ الگ موضوعات پر بنائے گئے ایسے سیریل ناظرین کی توجہ اپنی طرف مرکوز کر رہے ہیں۔

"راجہ اور رانچو، شیتھ" اور "ہندوستانی" میں جرائم کے عنصر تو موجود ہیں لیکن انہیں خالصتاً

جاسوسی سیریل کی گنتی میں نہیں لایا جاسکتا ہے۔ اگرچہ ہدایت کاروں نے جاسوسی ناولوں جیسی تحقیقات کے طریقے کو تو ضرور شامل کیا لیکن ان سیریلوں میں کہانی اور مناظر کو اتنی تیزی سے تبدیل کیا گیا ہے کہ دیکھنے والوں کو ایکشن فلم کا سا مزہ ملتا ہے۔ دراصل ان سیریلوں کے بنانے والوں نے کئی قسم کی کہانیوں کا انتخاب کیا جن میں قومیت، قومی اتحاد، عوامی ذمہ داریاں، جرم اور سسپنس سبھی کچھ شامل تھا۔ ناظرین کو ایک ساتھ ساری چیزیں دیکھنے کو ملنے لگیں اور یہی وجہ رہی کہ ایسے سیریل بہت جلد مقبول ہوئے۔

سونی چینل پر "سدھی" اور "ہاسپیٹل" کے نام سے دو نئے سیریل شروع ہوئے۔ "سدھی" کا موضوع جادو، ٹونا اور انسانی کرامات پر مشتمل تھا تو "ہاسپیٹل" میں جرائم پیشہ افراد اور ڈاکٹروں کی مدد سے انسانی گردے اور دیگر اعضاء کی ناجائز تجارت کا معاملہ اجاگر کیا گیا۔

جاسوسی سیریلوں میں "موہن داس بی اے ایل ایل بی، ثبوت" اور "یہ ہے راز" بھی مقبول ہوئے۔ ان میں پہلا سیریل توزی ٹی وی پر ایک گھنٹے کے لئے نشر ہوتا تھا اور ہر قسط میں ایک کہانی مکمل کر دی جاتی جب کہ بقیہ دونوں سیریل اسٹار پلس پر آدھ گھنٹے کی سلسلہ وار قسط کے طور پر نشر ہو رہے ہیں۔ ان دونوں میں ہی ایک لیڈی پولیس افسر کے ذریعہ جرم کی گتھیوں کو سلجھانے اور مجرم کی تلاش کی کہانی دکھائی جارہی ہے۔

جاسوسی سیریلوں سے الگ ہٹ کر حقیقی جرائم پر مبنی سیریلوں میں "بھنور، اپرادھی" اور "انڈیاز موسٹ وانٹڈ" قابل ذکر ہیں۔ سونی چینل پر نشر ہو رہے سیریل "بھنور" میں زیادہ تر عدالت کے ذریعہ فیصلہ کئے جا چکے سچے واقعات پر مبنی معاملوں کو فلم کی شکل میں دکھایا جارہا ہے۔ زی ٹی وی پر نشر ہونے والے "انڈیاز موسٹ وانٹڈ" میں ان مجرموں کی تفصیلات دکھائی جاتی ہیں جو جرم کر کے فرار ہو گئے ہیں۔ پولیس کے ذریعہ تلاش کئے جانے والے ان مجرموں کی تفصیل کے ساتھ ساتھ ان کے ذریعہ کی گئی واردات کو ڈرامائی انداز میں دکھایا جاتا ہے۔ اس سیریل کی کامیابی اور مقبولیت کا راز یہ ہے کہ اب تک اس کے نشر سلسلوں کی بنیاد پر کئی خطرناک اور شاطر مجرم یا تو گرفتار کئے جا چکے ہیں یا پولیس مڈبھیڑ میں مارے گئے ہیں۔ اسٹار پلس پر نشر ہونے والا سیریل "اپرادھی" بھی اسی طرح کے موضوع پر بنا ہوا ہے لیکن اس میں عورتوں پر ہوئے مظالم کو ہی دکھایا جاتا ہے اور مجرموں کی

تفصیلات دکھا کر ناظرین سے انہیں گرفتار کروانے میں مدد کرنے کی اپیل کی جاتی ہے۔

ان سبھی سیریلوں سے مختلف سونی چینل پر نشر ہونے والا سیریل "سی آئی ڈی" ہے۔ اس میں جرم کے واقعات کی تفتیش سی آئی ڈی کے افسروں کے ذریعہ کی جاتی ہے اور نتیجے کے طور پر مجرم گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ اس کی کہانیاں ہمارے آس پاس ہونے والے جرائم پر مبنی ہوتی ہیں۔ واقعات و حالات بھی ہمارے آس پاس کے ہی دکھائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے یہ ناظرین کے درمیان کافی مقبول ہے۔

زی ٹی وی کے سیریل "زی ہارر شو" اگرچہ ان سبھی موضوعات سے مختلف ہے لیکن اس میں ڈراؤنے چہروں اور غیر یقینی باتوں کو شامل کر کے اسے مزید ڈراؤنا اور خوفناک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگرچہ شروع میں اس سیریل کی چند قسطیں تو ضرور پسند کی گئیں لیکن مجموعی طور پر اسے کبھی قبول نہیں کیا گیا۔ اگرچہ سونی چینل پر نشر ہونے والے سیریل "آہٹ" کے موضوعات بھی کچھ اسی قسم کے تھے لیکن اس میں بیشتر واقعات انسانوں کے ذریعہ ہی دکھائے گئے تھے۔ اس سیریل میں روحوں کو بلانے اور ان سے باتیں کرنے کا طریقہ بھی ناظرین کی توجہ کا مرکز بنا۔ کمپیوٹر کی مدد سے اس سیریل میں خصوصی تاثرات(Special Effects)ڈالے گئے اور اکثر قسطوں میں نشر ہوئے واقعات نے ناظرین کی بداعتقادی کو مزید پروان چڑھایا۔ اس سیریل کی ایک قسط میں ایک گڑیا (کھلونا) کے ذریعہ کئے گئے مختلف جرائم کی تفصیلات دکھائی گئی تھیں۔ اس قسط کے خلاف ہریانہ کی ایک بچی نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کو ایک شکایتی خط لکھا اور ایسے سیریل پر پابندی عائد کرنے کی مانگ کی۔ اس سلسلے میں ایک مقدمہ سماعت کے لئے درج کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح کے دوسرے سیریل "وہ" میں ایک جوکر کے ذریعہ کئے گئے جرائم کی تفصیلات دکھائی جا رہی ہیں۔ یہ سیریل زی ٹی وی پر نشر ہو رہا ہے اور کافی مقبول ہے۔

بحث و مباحثے اور اعتراضات کے باوجود جرائم اور سسپنس پر مبنی سیریل آج بھی ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور لگ بھگ سبھی چینلوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان کے پاس بھی ایسے موضوعات پر دو چار سیریل ضرور موجود ہوں تاکہ ناظرین کی کثیر تعداد کو اپنی طرف متوجہ کیا جا سکے۔

ہندوستانی

دوردرشن کے میٹرو چینل پر نشر ہونے والے سیریل "ہندوستانی" کی مقبولیت آج کل اپنے عروج پر ہے۔ دراصل یہ سیریل ظلم و تشدد اور کرپشن کی اس دنیا کو پیش کرتا ہے جن سے لوگ روزانہ نبردآزما ہوتے ہیں۔ اس سیریل میں سماج میں پھیلی ان برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے جنہیں ختم کرنے کی بات تو ہر شخص سوچتا ہے لیکن کسی مجبوری کے تحت اس پر عمل نہیں کر پاتا ہے۔

اس سیریل کی کہانی ایک ریٹائرڈ پولیس افسر سنگرام سنگھ کی زندگی کی داستان ہے جو سماج سے برائیوں کو مٹا دینے کا تہیہ کر چکا ہے۔ اس سیریل کی ابتداء سنگرام سنگھ کے پانچ سال انٹرنیشنل پولیس (انٹرپول) کے ساتھ کام کرنے کے بعد ہندوستان واپسی پر ایرپورٹ کے باہر بینک لٹیروں سے مڈبھیڑ سے ہوتی ہے۔ سنگرام سنگھ اپنی جان پر کھیل کر ان کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

سنگرام سنگھ کا چھوٹا بھائی بہت بڑا صنعت کار ہے۔ لیکن سنگرام سنگھ اپنی اصول پسندی کی وجہ سے اپنے بھائی کے ساتھ نہیں رہتا ہے۔ ادھر دلاور سنگھ نامی خطرناک مجرم بھی سنگرام سنگھ کے خون کا پیاسا ہے کیونکہ پولیس شعبہ میں رہتے ہوئے سنگرام سنگھ نے دلاور کے دو جرائم پیشہ بھائیوں کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔ سنگرام سنگھ کے شناساؤں کی خواہش ہے کہ وہ ان کے ساتھ کاروبار میں شامل ہو جائے۔ اس کے سیاست داں دوستوں کی خواہش ہے کہ وہ سیاست میں داخل ہو جائے۔ لیکن سنگرام سنگھ ملک کے لوگوں میں اخوت و انسانیت کا جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہے او سماج میں پھیلے کرپشن اور غنڈہ گردی کے خلاف جنگ چھیڑ دیتا ہے۔ اس مقصد کے لے وہ سات نوجوانوں کی ایک جماعت بنا کر انہیں خصوصی ٹریننگ دیتا ہے۔ پھر اس کی یہ پوری جماعت سماج سے مختلف برائیوں کو ختم کرنے میں لگ جاتی ہے۔ ہر قسط میں سماج میں پھیلی کسی ایک برائی کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ خواہ وہ قتل کا معاملہ ہو یا زمین پر ناجائز قبضے کی بات یا جھگی جھونپڑیوں سے لوگوں کو بے دخل کرنے کا معاملہ ہو۔ اس طرح کے معاملات کو مختلف قسطوں میں حل کیا جا رہا ہے۔ سماج میں پھیلی برائیوں کے علاوہ پڑوسی ممالک سے دراندازی کرنے والوں کا قلع قمع کرنا اور ان کے ارادوں کو ناکام کرنا بھی سنگرام سنگھ اور اس کے کمانڈروں کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ لیکن اس سیریل میں انتہائی درجہ کا تشدد دکھایا جاتا

ہے۔ تشدد کے سوال پر ہدایت کار واداکار پنت اسر کا کہنا ہے :

"ہمیں فخر ہے کہ ہم نے 'ہندوستانی' جیسا سیریل بنایا اس میں ہمیں تشدد کا سہارا لینا پڑا۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ہم جن کے خلاف لڑائی لڑ رہے ہیں ان سے نپٹنے کے لئے ہمیں تشدد کا سہارا لینا ہی پڑتا ہے۔ اگر اس سیریل میں کہیں بندوق سے گولی چلتی ہے تو اس کا مقصد سماج سے برائی کا خاتمہ کرنا ہوتا ہے۔" (یگ شری ٹیلی ویژن، اگست 1998 عیسوی صفحہ 5)

اس سیریل کے ہر قسط کی ابتداء مایا گوبند کے لکھے گیت سے ہوتی ہے جس کے چند بول اس طرح ہیں :

آگ کرا اپنا بدن، ہندوستاں کے واسطے
سب سے پہلے مر دن، ہندوستاں کے واسطے
قرض چکائیں گے مٹی کا، دیں گے ہر قربانی
ہم کو وطن پکار رہا ہے، ہم ہیں ہندوستانی

اگرچہ اس عنوان نغمہ (Title Song) کے علاوہ بھی مختلف قسطوں میں کئی گیت شامل کئے گئے ہیں جو عموماً اس قسط کی کہانی سے مناسبت رکھتے ہیں۔ سنجیدہ موضوعات پر بنے اس سیریل میں دلچسپی برقرار رکھنے کی غرض سے رومانس اور ناچ گانے بھی دکھائے گئے ہیں جو حالات کے اعتبار سے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

جہاں تک سیریل کی تکنیک کا معاملہ ہے تو ہدایت کار نے بڑی مہارت کے ساتھ رومانی اور ایکشن کے مناظر کی تصویر کشی کی ہے۔ پہاڑوں اور جنگلات کی تصویر کشی بھی ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہے۔ ساتھ ہی کسی بات کو کہنے کے لئے زیادہ پیچیدگی اختیار نہیں کی گئی ہے۔ آسان طریقوں سے عوام کو برائیوں سے دور رہنے اور انہیں ختم کرنے کی طرف مائل کیا گیا ہے۔ طریق کار کے طور پر سماج میں پھیلی برائیوں کو اجاگر کر کے ان کے مضر اثرات کو دکھایا گیا ہے۔ ایک خاتون صحافی کے کردار اور اس کے اخبار کے ذریعہ غیر سماجی عناصر کا پردہ فاش کرنے کی کوشش کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ پریس کا رول بھی کافی اہم ہے۔ کل ملا کر تکنیکی اعتبار سے یہ سیریل کافی کامیاب ہے۔

زبان کے اعتبار سے ہندی کے اس سیریل میں اردو اور ہندی الفاظ کے ساتھ انگریزی

اور پنجابی کا استعمال بھی کثرت سے ہوا ہے۔ جب سنگرام سنگھ اور ان کے ساتھی پاکستانی حریت پسندوں سے ٹکراتے ہیں تو پاکستانیوں کو اردو میں بات کرتے دکھایا گیا ہے۔ ضرورت کے مطابق کرداروں سے انگریزی کے مکالمے بھی سننے کو ملتے ہیں۔ اردو کے جملے بھی اکثر و بیشتر مکالموں میں شامل ہوتے ہیں مثلاً "اس دنیا سے ظلم و ستم کا خاتمہ کرنا ہی ہمارا مقصد ہے" وغیرہ۔ اس طرح مختلف زبانوں کے مکالموں سے بھرپور یہ ایک عمدہ سیریل ہے۔

اس کے ہدایت کار و کہانی کار پنت اسر ہیں جنہوں نے خود ہی مرکزی کردار یعنی سنگرام سنگھ کا رول بھی ادا کیا ہے۔

سی ہاکس

سمندر کی لہروں کے درمیان رہ کر ملک کی حفاظت کرنے اور دشمنوں سے لڑنے والے جانباز ساحلی محافظوں (Coast Guards) کی زندگی کو اب تک تفصیل سے نہ تو کسی فلم میں دکھایا گیا اور نہ ہی کسی سیریل میں ہی پیش کیا گیا تھا۔ اگرچہ کمرشیل فلموں میں اس کی تھوڑی بہت جھلک ضرور دکھائی گئی تھی۔ لیکن سمندر کی لہروں کے بیچ رہ کر ملک کی حفاظت کرنے والے جانباز نوجوانوں کی زندگی اور ان کے کارناموں کو پہلی بار تفصیل کے ساتھ سیریل "سی ہاکس" میں دکھایا جا رہا ہے۔

"سی ہاکس" اپنے نام کے برخلاف ایک ہندی سیریل ہے۔ اس میں ساحلی محافظوں اور مافیا سرغنوں کی آپسی جنگوں کے علاوہ ان کی نجی زندگی کے تمام پوشیدہ اور جذباتی پہلوؤں کو بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ بنیادی طور پر اس سیریل میں بحری راستوں سے ہو رہی غیر قانونی تجارت کو دکھایا گیا ہے۔ یہ ڈوباسا اور چمبا نامی مچھیروں کے دو ایسے گاؤں کی کہانی ہے جہاں بھامبرا نامی ایک مافیا سرغنہ بحری راستوں سے اسمگلنگ کر کے اپنا کاروبار چلاتا ہے۔ وہ بہت طاقتور ہے اور سارے علاقے میں اس کی حکمرانی قائم ہے۔ گاؤں کے سارے مچھیرے اسی کے لئے کام کرتے ہیں۔ لیکن شمبھو نامی ایک مچھیرا اس کے خلاف ہے۔ جسے وہ ہمیشہ اذیتیں دیتا رہتا ہے۔ علاقے کی پولیس بھامبرا کی غیر قانونی تجارت

کو ختم کرنے کی ناکام کوشش کرتی ہے۔ پھر پولیس ساحلی محافظوں کی مدد حاصل کرتی ہے جس کی مدد سے پولیس اور بھامبرا کے آپسی ٹکراؤ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اکثر دونوں فریقوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں اور کئی افراد مارے جاتے ہیں۔ لیکن بھامبرا دوبارہ منظم ہو جاتا ہے۔ ایک دن بھامبرا کی بیوی بھی اس کے خلاف آواز بلند کرتی ہے۔ ساتھ ہی ایک باحوصلہ اور مضبوط ارادوں والی ڈاکٹر نتاشا بھی بھامبرا کے خلاف مہم میں شامل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے والد کو بھامبرا نے قتل کرادیا تھا۔ اپنے باپ کی موت کے بعد پریشانیوں سے مقابلہ کر کے یہ لڑکی ڈاکٹر بنتی ہے اور سماج میں اپنا ایک مقام بناتی ہے۔ اس کے عزم و حوصلے سے ناظرین کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

ساحلی محافظوں نے نہ صرف بھامبرا کے خلاف جنگ چھیڑ رکھی ہے بلکہ وہ سماج میں پھیلی ان برائیوں کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے عام انسان متاثر ہوتا ہے۔ اس میں سیاست دانوں کی گندی سیاست اور جرائم پیشہ افراد سے ان کے باہمی میل جول کو بھی سخت طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس سیریل کی نشریات ابھی جاری ہیں اور کہانی آگے کیا رخ اختیار کرے گی یہ آنے والی قسطوں میں ہی واضح ہو پائے گا۔

اس سیریل میں ہندی فلموں کے بڑے بڑے فنکار کام کر رہے ہیں۔ اوم پوری نے اسے اپنی قابلیت سے مزید دلچسپ بنایا ہے۔ تکنیکی سطح پر اسے کافی بڑے پیمانے پر بنایا جارہا ہے۔ موضوع کے خشک ہونے کی وجہ سے ناظرین کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لئے اس میں رومانس اور ناچ گانے بھی دکھائے جارہے ہیں۔ لوکیشن کے خوبصورت جنگلات اور ساحلوں کی تصویر کشی نہایت دلکش ہے۔ فلموں کی طرح سے بنائے جارہے اس سیریل میں گلیمرس سین بھی بکثرت موجود ہیں جہاں لڑکیوں کو تنگ ترین تیراکی کے لباسوں میں اکثر دکھایا جاتا ہے۔ مافیا گروہوں کے آپسی تصادم کو بھی بڑے خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساحلی محافظوں کے ذریعہ نئے نئے طریقوں سے مافیا گروہوں کے صفایا کئے جانے کی منظر کشی بھی قابل ذکر ہے۔ اگرچہ تمام مناظر دلکش اور بہترین ہیں لیکن پھر بھی پوری قسط دیکھنے کے بعد بھی کمی کا احساس ہوتا ہے جو عموماً مکالمہ نویس اور ایڈیٹر کی کمزوریوں کو ظاہر کرتی ہیں۔

زبان کے اعتبار سے ہندی کے اس سیریل میں انگریزی کا استعمال بکثرت ہوا ہے۔ اگرچہ

بیشتر مکالمے عام فہم زبان میں سنائی دیتے ہیں لیکن کہیں کہیں پنجابی اور تمل زبانوں کے مکالمے بھی کرداروں کی مناسبت سے سننے کو ملتے ہیں۔ اردو کا کہیں کہیں استعمال ضرور ہوا ہے۔ لیکن اکثر ہندی کے الفاظ بھی اردو کے مکالموں میں شامل ہیں۔ مثلاً "اپنے کفن دفن کا انتظام کرلے، تیرے لئے نرک (جہنم) کے دروازے کھول دئے گئے ہیں" وغیرہ

دوردرشن کے میٹرو چینل پر نشر ہونے والے اس سیریل کے ہدایت کار دو کہانی کار انوبھو سنہا ہیں۔

ہندوستانی تاریخ پر مبنی سیریل

تاریخی واقعات پر مبنی سیریلوں کو یوں تو ناظرین نے ہمیشہ سے پسند کیا ہے لیکن "سوورڈ آف ٹیپو سلطان" جیسے سیریل نے اس کی مقبولیت میں بے انتہا اضافہ کیا۔1990 عیسوی میں جب یہ سیریل شروع کیا گیا تو اس کے پروڈیوسر سنجے خان کو یہ اندازہ بالکل نہیں تھا کہ آنے والے دنوں میں یہ سیریل ٹیلی ویژن کا سب سے مقبول سیریل بن جائے گا۔ اس سیریل کی بے پناہ مقبولیت نے ہندوستانی تاریخ پر مبنی سیریلوں کے لئے راہ ہموار کی۔ دوردرشن نے 1991 عیسوی میں "چانکیہ" کی شروعات کی۔ یہ سیریل بھی کسی حد تک کامیاب رہا۔ اس کے بعد 1994 عیسوی میں "دی گریٹ مراٹھا" 1995 عیسوی میں "اکبر دی گریٹ" اور "جھانسی کی رانی" اور 1997 عیسوی میں "مہاراانا پرتاپ" اور "میں دلی ہوں" جیسے سیریلوں کی نشریات شروع ہوئیں۔ ان سبھی سیریلوں نے ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کیا اور کامیاب ہوئے۔

آج کل نشر ہو رہے دو تاریخی سیریلوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جارہا ہے جن سے ان کی تکنیک اور زبان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مہاراناپرتاپ

یہ سیریل بھی تاریخی سیریل کے زمرے میں آتا ہے۔ مہاراناپرتاپ جیسے بہادر انسان کی زندگی پر بنایا گیا یہ سیریل بالخصوص راجپوتوں کی شان و شوکت، پختہ عزم، بہادری اور حب الوطنی کو پیش کیا کرتا ہے۔

اس سیریل کی ابتداء مہاراناپرتاپ کی پیدائش سے قبل راجاوکرمادتیہ کے زمانے سے ہوتی ہے۔ اس میں مہاراناپرتاپ کی پیدائش اور بعد کے حالات بھی خوبی دکھائے گئے ہیں۔ اس کی قسطوں میں ہندو مسلم اتحاد اور آپسی میل جول پر کافی زور دیا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس وقت کے راجاؤں نے ذات و مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے پر حملے نہیں کئے ہیں بلکہ اپنے ملک کی حفاظت یا اپنی حکومت کے فروغ کے لئے وہ جنگ کیا کرتے تھے۔ اس سیریل میں پنا دھائی نامی داسی کی وفاداری کی نایاب مثال پیش کی گئی ہے جو اپنے بیٹے کو قربان کر کے شہزادے کی دشمنوں سے حفاظت کرتی اور اسے اس کے والدین کے قاتلوں سے پوشیدہ رکھ کر پرورش کرتی ہے تاکہ وہ بڑا ہو کر حکومت کی باگ ڈور دشمنوں سے واپس لے سکے۔ اسی طرح کے مختلف حالات و واقعات سے بھرپور اس سیریل میں کئی جنگ بھی دکھائے گئے ہیں۔ شاطرانہ چالوں سے دشمنوں کو مات دینے کی مثالیں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اس طرح چھوٹے چھوٹے تاریخی واقعات پر مبنی اس کی قسطوں میں رومانس اور محبت کی داستان بھی دکھائی گئی ہے۔

اس سیریل کی شوٹنگ زیادہ تر پرانے قلعوں اور جنگلوں و میدانوں میں کئی گئی ہے اور حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ مناظر اور کرداروں کا لباس و رہن سہن اس زمانے سے مطابقت رکھتے ہوں جس وقت کی کہانی پیش کی جارہی ہے۔ اس سیریل میں اس وقت کے کچھ واقعات اور رسم و رواج کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ اس زمانے میں عورتوں کو اپنے شوہر کی چتا پر جل جانے (ستی) کا رواج عام تھا ۔ لیکن پورے سیریل میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ کچھ غیر ضروری مناظر بھی شامل کر دئے گئے ہیں جو اس وقت کے حالات کے اعتبار سے میل نہیں رکھتے۔ چند قسطوں میں دکھائی گئی تقریبات کہانی کے پس منظر سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں۔ اس طرح تکنیکی اعتبار سے اس سیریل میں کئی

خامیاں ہیں۔

چونکہ مہارانا پرتاپ کا تعلق راجستھان سے تھا۔اس لئے اس سیریل میں راجستھانی گیتوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔گیتوں کی زبان کہیں ہندی تو کہیں راجستھانی ہے۔ایک گیت کے بول اس طرح ہیں۔

"آنے والا ہے کوئی آنے والا ہے
ننھا منا لاڈلا آنے والا ہے"

اس سیریل میں ہندی اور راجستھانی زبان کے مکالموں کے علاوہ سنسکرت کے شلوک اور فارسی کے جملے بھی سنائی دیتے ہیں۔اردو کا بھی استعمال ہوا ہے لیکن عام فہم زبان ہی حاوی نظر آتی ہے۔

دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر ہو رہے اس سیریل کے ہدایت کار گوفی پینٹل ہیں۔اس کے لئے کہانیاں کیشور اٹھور اور مکالمے حسن کمال نے لکھے ہیں۔

میں دلی ہوں

ہندوستان کی آزادی کی گولڈن جوبلی تقریبات کے موقع پر دوردرشن نے کچھ نئے پروگراموں اور سیریل کی نشریات شروع کی تھیں۔اس سلسلے کے تحت نادرہ ببر کے سیریل "میں دلی ہوں" کی نشریات بھی شروع ہوئیں۔اس سیریل کے عنوان کے متعلق نادرہ ببر کا کہنا ہے کہ :

"ہمارے ملک کی امتیازی تاریخ کا مرکز دلی ہمیشہ سے رہی ہے۔اسی لئے ہم نے اس سریل کا نام "میں دلی ہوں" رکھا ہے۔جس میں نہ صرف تاریخی واقعات پیش کئے گئے ہیں بلکہ اپنے ملک کی خوب صورت وراثت کو بھی ناظرین کو دکھایا گیا ہے۔"

(گیگ شری ٹیلی ویژن، دسمبر 1997 عیسوی صفحہ 49)

ہندوستان کی راجدھانی دلی ہی اس سیریل کی جان ہے۔پانچ ہزار سالوں کی چشم دید گواہ یعنی دلی کی ہی زبانی اس کی کہانی بتائی جاتی ہے اور پھر فلیش بیک میں اس سے متعلق واقعات دکھائے جاتے

ہیں۔ کہانی کی ابتداء کھانڈو کے جنگلوں میں راجا یاتی کی آمد کے ساتھ ہوتی ہے۔ جو آسروں سے جنگ کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ ان کی نظر آسروں کے گرو اور سردار شکر آچاریہ کی بیٹی دیویانی پر پڑتی ہے جو نہایت خوبصورت ہے۔ راجا یاتی اس سے شادی کر کے بغیر جنگ کئے لوٹ جاتے ہیں۔ یاتی کے بعد راجا بھرت کی کہانی شروع ہوتی ہے۔ واضح ہو کہ اسی راجا کے نام پر اس ملک کا نام بھارت پڑا ہے۔ اس کے بعد پانڈووں کا دور آتا ہے اور مہابھارت کی جنگ ہوتی ہے۔

کئی صدیوں بعد چندر گپت موریہ پاٹلی پترا چھوڑ کر کھانڈو کے اس شہر میں آتے ہیں جسے کسی زمانے میں پانڈوؤں نے تعمیر کیا تھا۔ یہاں چندر گپت کے گرو چانکیہ ایک یگیہ کراتے ہیں تاکہ پاٹلی پترا میں قحط سالی کا عذاب ختم ہو۔ چانکیہ نے یہ بھی کہا کہ اگر ملک میں آپسی اتحاد برقرار نہیں رہا تو غیر ملکی یہاں قابض ہو جائیں گے۔ اس کی پیشن گوئی صحیح ثابت ہوئی اور سکندر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اسی دوران اس ملک میں بودھ اور جین مذاہب کے لوگوں کی بھی آمد ہوئی۔ ادھر شہنشاہ اشوک بھی کافی جنگ و جدال کے بعد عدم تشدد کے پجاری ہو گئے تھے اور انہوں نے بودھ مذہب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کے بعد فیروز شاہ تغلق کا دور آیا اور اس نے اشوک کے فولادی پائے کو پاٹلی پترا سے لا کر دلی میں نصب کیا (یہ آج بھی قطب مینار کے پاس موجود ہے)۔ اس طرح قسط وار کہانی کے طور پر مختلف حکمرانوں کے دور حکومت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

راجا وکرمادتیہ کے دور حکومت میں ملک چھوٹے چھوٹے صوبوں میں تقسیم ہو گیا۔ راجا ہرش وردھن کے دور میں جین مذہب کا کافی فروغ ہوا۔ تومر، خلجی اور تغلق خاندانوں نے بھی یہاں حکومت کی۔ پھر مغلوں نے اسے فتح کر لیا اور سارے ملک پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ مغلوں سے انگریزوں نے اس ملک کی حکومت چھین لی۔ 1857 عیسوی میں ہندوستان کی آزادی کے لئے پہلی جنگ ہوئی۔ اس کے بعد انگریزوں نے ہندوستان پر اپنے مظالم مزید بڑھا دئے۔ آزادی ہند کی تحریک میں موہن داس کرم چند جیسے لوگ شامل ہوئے جو بعد میں گاندھی جی کے نام سے مشہور ہوئے۔ 1947 عیسوی میں تقسیم کے ساتھ ملک آزاد ہوا۔

اس طرح پانچ ہزار سالوں کے تاریخی واقعات و حالات کو اس سیریل میں شامل کیا گیا ہے۔ ہدایت کار نے یہ کوشش کی ہے کہ اس کے مناظر و حالات اس دور سے مناسبت رکھتے ہوں جس

وقت کی تاریخ اس میں بیان کی جارہی ہے ۔ ہدایت کار اپنی اس کوشش میں کافی کامیاب نظر آتا ہے۔اس وقت کے واقعات اور قدیم قصوں کو فلمانے کے لئے کمپیوٹر کے خصوصی تاثرات (Special Effect)کا خوبی استعمال ہوا ہے۔ تکنیکی اعتبار سے یہ سیریل نہایت کامیاب ہے۔

اس سیریل میں تاریخی ادوار کے اعتبار سے زبان کا بھی استعمال ہوا ہے۔ سنسکرت اور فارسی کا استعمال جہاں ابتدائی قسطوں میں بکثرت ملتا ہے۔ وہیں مغلوں کے دور میں بہت ہی شائستہ اردو کا استعمال ہوا ہے۔ شعروشاعری کے اس دور کی بھی عکاسی کی گئی ہے۔جب غالبؔ ،ذوقؔ اور ظفرؔ جیسے باکمال شاعر موجود تھے۔انگریزوں کے دور میں انگریزی اور ہندی کا بکثرت استعمال ہوا ہے۔ یعنی کل ملا کر مختلف ادوار میں مختلف زبانوں کا استعمال کیا گیا ہے۔

دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر ہو رہے اس سیریل کے ہدایت کار مشہور فلم ساز بی۔آر۔ چوپڑہ اور روی چوپڑہ ہیں۔ کہانیوں کو ستیش بھٹناگر ، حسن کمال اور رام گووند نے تاریخ کی کتابوں سے مکمل کیا ہے۔ مکالمے شفیق انصاری نے لکھے ہیں۔

بچوں کے لئے مخصوص سیریل

آج ٹیلی ویژن پر بچوں کے لئے مخصوص پروگراموں کی بہت کمی ہے۔ اگرچہ کچھ پروگرام نشر کئے جارہے ہیں۔ لیکن ان میں معیاری پروگراموں کی کمی کا احساس ہوتا ہے، جب کہ ٹیلی ویژن پر آنے والے اشتہاروں میں بچوں کا استعمال کثرت سے ہو رہا ہے۔ ایسی اشیاء کے لئے بھی بچوں کو استعمال کیا جارہا ہے جن کا ان بچوں سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔بچوں کے لئے مخصوص سیریل کے نام پر کارٹون فلموں کو چھوڑ کر چند ایک سیریل نشر کئے جارہے ہیں۔ اگرچہ دوسرے سیریلوں میں بھی بچوں کی دلچسپی کا سامان ڈھونڈ نکالا جاتا ہے۔ خواہ وہ بندر ، کتے یا کسی جانور کی اداکاری ہو یا پھر ایک ایسے ننھے بچے کی اداکاری ہو جس نے ابھی بولنا بھی نہیں سیکھا ہے۔ ان دنوں ٹیلی ویژن پر بچوں کے مخصوص سیریلوں میں ''شکتی مان، جسٹ محبت، اسمال ونڈر، بچوں کی عدالت ، ڈفرنٹ اسٹراکس، کڈ

زون" وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے دو مختلف سیریلوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جو ان دنوں بچوں کے درمیان بے حد مقبول ہیں۔

شکتی مان

انگریزی کے مشہور سیریل "ہی مین" کے طرز پر ہندی میں "شکتی مان" کے نام سے بچوں کے لئے بنایا گیا یہ سیریل آج کل تنازعات کا شکار ہے۔ اس سیریل کے کردار 'شکتی مان' سے متاثر ہو کر کئی بچوں نے اس امید پر اپنی جانیں گنوا دیں کہ ان کا ہیرو شکتی مان آکر ان کی جان بچا لے گا۔ اس طرح مختلف واقعات و حادثات کے بعد عارضی طور پر اس کی نشریات روک دی گئی تھی۔ لیکن 16 اگست 1999 عیسوی سے اسے دوبارہ نشر کیا جا رہا ہے۔

اس سیریل کی ابتداء شہر میں گنگا دھر نامی ایک فوٹو گرافر کی آمد پر ہوتی ہے جو نوکری کی تلاش میں آیا ہے۔ اسے ایک اخبار میں نوکری مل جاتی ہے اور پریس رپورٹر، گیتا و شواس کے ساتھ اسے کام پر لگا دیا جاتا ہے۔ لیکن بظاہر بے وقوف سا دکھائی دینے والا یہ شخص اکثر شکتی مان کا روپ اختیار کر کے برائیوں سے لڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔۔ گیتا کو اس کی خبر نہیں ہوتی کہ اس کا فوٹو گرافر ہی شکتی مان کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ شہر میں شکتی مان کے سلسلے میں افواہیں گرم ہیں اور ہر شخص اس کے متعلق باتیں کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ سوال اٹھتا ہے کہ شکتی مان کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور اس کے پاس اتنی طاقت کہاں سے آتی ہے جو وہ ایسے انوکھے کارنامے انجام دیتا ہے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کسی دوسرے سیارے سے آیا ہوا انسان ہے جو برائیوں کا خاتمہ کرنے یہاں آیا ہے۔ لیکن چھ قسطوں کی نشریات کے بعد شکتی مان کی بے پناہ قوتوں اور اس کی تربیت کی تفصیل دکھائی گئی ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کوئی ہوا میں اڑنے والا مافوق الفطری عنصر نہیں بلکہ وہ بھی ایک انسان ہے جس نے سات گروؤں (استادوں) سے روحانی تربیت لے کر اپنے اندر بے پناہ قوت جمع کر لی ہے اور اسی بنا پر وہ شکتی مان بن گیا ہے جس کا کام برائیوں کو ختم کرنا ہے۔

اس سیریل میں ایک عام انسان کے شکتی مان بننے کے ساتھ ہی نیکی اور بدی کی جنگ میں نیکی کی فتح اور بدی کے خاتمے کی کہانی دکھائی گئی ہے۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ عزم مصمم اور مسلسل جدوجہد سے کوئی بھی شخص شکتی مان جیسا بن سکتا ہے۔ اس سیریل میں جہاں ایک طرف نیکی کی خاطر شکتی من بنانے والے گروہ ہیں وہیں دوسری طرف برائی کو فروغ دینے والا شیطان بھی موجود ہے جو اپنے گرگوں کی مدد سے ساری دنیا میں شیطنیت کا جال پھیلانا چاہتا ہے۔ یہ دکھایا گیا ہے کہ جے کمار نامی ایک شخص فطرتاً شریف لیکن کافی رئیس ہے۔ ایک دن ایک مورتی زندہ ہو کر جے کمار کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے جس کے بعد وہ شیطان صفت بن جاتا ہے اور اپنی دولت کے بل بوتے پر برائیاں پھیلاتا ہے۔ انہیں برائیوں سے شکتی مان لڑتا ہے۔ ساتھ ہی اس سیریل میں ایک الیکٹرانک مین بھی دکھایا گیا ہے جو بڑا ہی طاقتور ہے لیکن شکتی مان اس سے بھی نبرد آزما ہوتا ہے اور اسے ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح کے مختلف واقعات میں شکتی مان کو مصیبت میں گھرے بچوں کی جانیں بچاتے ہوئے بھی دکھایا جاتا ہے ساتھ ہی یہ پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر انسان چاہے تو سماج کی بڑی سے بڑی برائیاں بھی دور کی جا سکتی ہیں۔

تکنیکی اعتبار سے اس سیریل میں کمپیوٹر کی مدد سے خصوصی تاثر (Special Effects) کا استعمال کثرت سے کیا گیا ہے۔ ہوا میں اڑنے والی تکنیک کے علاوہ الیکٹرانک مین کی حرکات کو بھی کمپیوٹر سے ہی تخلیق کیا گیا ہے۔ اس طرح ہر قسط میں مناظر کی مناسبت سے ہی تاثر قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جہاں تک زبان کا تعلق ہے، ہندی سے اس سیریل میں یوں تو عام فہم بولی ہی استعمال ہوئی ہے لیکن کہیں ثقیل ہندی کا استعمال بھی ملتا ہے۔ سنسکرت الفاظ بھی بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر اس کا عنوان نغمہ (Title Song) کی دو سطریں دیکھئے :

"شکتی مان، شکتی مان ادبھوت ادمیہ ساہس کی پری بھاشا ہے
یہ مٹتی ہوئی مانوتا کی آشا ہے"

اردو کے جملوں کے ساتھ ہی انگریزی کے الفاظ بھی بکثرت استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ سیریل دوردرشن کے نیشنل چینل پر ستمبر 1997 عیسوی میں شروع ہوا تھا اور تھوڑے وقفے کی پابندی کے

بعد اسکی نشریات آج بھی جاری ہیں۔ اس کے ہدایت کار دنکر جانی ہیں جب کہ کہانیاں اور مکالمے غالب ارشد بھوپالی اور برج موہن پانڈے نے مل کر لکھی ہیں۔ اس کے پروڈیوسر مکیش کھنہ ہیں جنھوں نے خود ہی اس میں گنگادھر اور شکتی مان کا کردار ادا کیا ہے۔

جسٹ محبت

ٹیلی ویژن چینلوں میں ہو رہے اضافے کے ساتھ ہی سیریلوں کی مانگ میں بھی تیزی سے اضافہ ہوا ہے لیکن زیادہ تر سیریل جرائم، سسپنس، مزاح یا کاروباری خاندانوں کی آپسی رنجش کے اردگرد گھومتے نظر آتے ہیں۔ بچوں کے لئے کچھ کارٹون فلموں اور چند ایک سیریلوں کے علاوہ کوئی مخصوص سیریل کسی چینل پر نشر نہیں ہو رہا تھا۔ وقتاً فوقتاً کچھ خاص پروگرام نشر ہوئے تھے۔ لیکن وہ بہت معیاری یا مستقل نہیں ہوا کرتے تھے اور بچوں کے لئے اچھی اور دلچسپ کہانیوں پر مبنی سیریلوں کی کمی محسوس کی جا رہی تھی۔ اسی کمی کو کسی حد تک پورا کرنے کے لئے "جسٹ محبت" نامی اس سیریل کی نشریات شروع کی گئیں۔

یہ طفلانہ نفسیات پر مبنی ایک دلچسپ سیریل ہے۔ اس کی کہانی دس سال کے ایک لڑکے جے مہروترا کے اردگرد گھومتی ہے۔ یہ لڑکا دہرادون میں سینٹ جان اکیڈمی کا طالب علم ہے جس کا وقت ماں کے خطوط، چاکلیٹ اور گہرے دوست گوتم کے ساتھ گذرتا ہے۔ وہ جس ہاسٹل میں رہتا ہے وہاں اس کے سینئر لڑکے جے کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ایک قسط میں یہ دکھایا گیا ہے کہ یہ لڑکے جب لڑکیوں کے ہاسٹل کے چکر لگاتے ہیں تو جے کو چوکیداری کا کام سونپتے ہیں لیکن ہاسٹل کی میڑن (منتظمہ) کے ذریعہ جے پکڑا جاتا ہے۔ وہ پوچھنے پر بھی کسی لڑکے کا صحیح نام نہیں بتاتا کیونکہ وہ انہیں بدنام ہونے سے بچانا چاہتا ہے۔ اس کے سینئر جے کی اس حرکت سے خوش ہوتے اور اسے انعام کے طور پر ایک رسالہ "پلے بوائے" دیتے ہیں جس میں ننگی لڑکیوں کی تصویر بنی ہوئی ہیں

چھٹیوں میں جے جب گھر جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی ماہر نفسیات ماں اور اکاؤنٹنٹ باپ

کے درمیان ہمیشہ کسی نہ کسی مسئلے کو لے تکرار ہوتی رہتی ہے۔ گھر سے تنگ آکر جے جلدی ہاسٹل لوٹ جاتا ہے۔ جہاں اس کی واپسی کی خوشی میں ایک پارٹی دی جاتی ہے۔ اسی پارٹی کے دوران اس کی ٹیچر کو جے کے پاس "پلے بوائے" کا رسالہ ملتا ہے۔ جس سے اس کی کافی بدنامی ہوتی ہے۔ اور سزا کے طور پر اسے اسکول سے نکال دیا جاتا ہے۔ وہ گھر واپس آتا ہے لیکن اس معاملے کے بعد گھر کے لوگ اس سے بات نہیں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ گھر کا نوکر بھی اس سے منھ پھیر لیتا ہے۔ وہ خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔ اور ایک دن وہ گھر سے بھاگ جاتا ہے۔ چند قسطوں میں جہاں ایک طرف جے کے والدین اور رشتے دار اس کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دیتے ہیں وہیں دوسری طرف وہ ایک خاندان کے ساتھ رہ رہا ہے۔ اسے اسکول میں داخلہ مل جاتا ہے جہاں پرنسپل اس سے ماں جیسا پیار کرتی ہیں۔ گھر میں اسے ایک دلچسپ انکل مل جاتے ہیں جو بچوں کی طرح برتاؤ کر کے سب کا دل بہلاتے ہیں۔

دھیرے دھیرے جے بڑا ہو جاتا ہے اور اس کو اپنے کلاس کی ایک لڑکی سے پیار ہو جاتا ہے۔ سلونی نامی یہ لڑکی جے کے گھر بھی آتی ہے جسے دیکھ کر انکل بہت خوش ہوتے ہیں۔ دوسری طرف جے کے دوست، نجو کے والدین ماڈرن بننے کی فراق میں اپنے بیٹے کو کسی لڑکی سے پیار کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ اس کے کمرے میں فلمی ہیروئن کی تصویریں لگاتے ہیں۔ نجو کے باپ کے اس جملے سے اس وقت کے حالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ "ہر ایک باپ کے دل میں ایک ارمان ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا اپنی گرل فرینڈ کو گھر لے کر آئے، اپنے باپ کی گاڑی میں اسے گھمائے، اپنے باپ کا پیسہ اس پر لٹائے"۔ اسی طرح کے مزاحیہ حالات پیدا کر کے سیریل میں دلچسپی اور نیا پن برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس سیریل میں بچوں کی معصومیت، ان کی نٹ کھٹ عادتوں اور حرکتوں کو نفسیاتی نقطہ نظر سے دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہانی انسانی زندگی کے خوبصورت دور، بچپن سے شروع ہوتی ہے جو معصومیت، تجسس، چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں ایک بچے کے بڑے ہونے، مختلف دور میں اس میں آئی تبدیلیوں کے علاوہ وہ اپنے آس پاس کے لوگوں سے کیا سیکھتا ہے اور کس طرح کا برتاؤ کرتا ہے وغیرہ کو بڑی خوبی سے پیش کیا گیا ہے۔ تکنیکی اعتبار سے پراڈکشن کی چند خامیوں کے باوجود اس سیریل میں بچوں کی دلچسپی کے کافی سامان مہیا کئے گئے ہیں۔

جہاں تک زبان کا تعلق ہے، ہندی کے اس سیریل میں عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے۔ لیکن انگریزی کے مکالمے بکثرت ملتے ہیں۔ عام بولی میں بھی انگریزی الفاظ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ جیسے یہ مکالمہ "ہم نے سوچا تھا وہ انسپائر (Inspire) ہو جائے گا" وہیں اردو کے جملے بھی سنائی دیتے ہیں۔ "اب تو اس گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں منائی جائیں گی" وغیرہ کل ملا کر مختلف زبانوں کے مکالموں سے بھرپور اس سیریل میں مکالمے کی ادائیگی پر خاص دھیان دیا گیا ہے تاکہ ناظرین کو تشنگی کا کوئی احساس نہ ہو۔

سونی چینل پر نشر ہو رہے اس سیریل کے ہدایت کار ٹونی سنگھ ہیں جب کہ کہانیاں و مکالمے لکھنے کا کام وجے آچاریہ کر رہے ہیں۔

تہذیب و ثقافت، خبروں اور حالات حاضرہ پر مبنی پروگرام

تہذیب و ثقافت اور حالات حاضرہ پر مبنی پروگراموں کو ناظرین نے ہمیشہ سے پسند کیا ہے۔ تفصیل سے خبروں کو جاننے کی خواہش ہر شخص کی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ خبروں اور حالات حاضرہ سے متعلق پروگرام تقریباً سبھی چینلوں پر نشر ہوتے آئے ہیں۔ ٹیلی ویژن کی مشہور صحافی اور پروڈیوسر، نلنی سنگھ نے اپنی شناخت اس طرح کے پروگراموں سے ہی بنائی ہے۔ انہوں نے "کھلا منچ، فوکس، سچ کی پرچھائیاں، ہیلو زندگی" سے لے کر "آنکھوں دیکھی" جیسے سیریلوں کو کامیابی سے پیش کیا ہے۔ اگرچہ آج کل ایسے پروگراموں کی مقبولیت کم ہوتی جا رہی ہے لیکن ایسے پروگراموں کی اہمیت کا اندازہ ایکشن کے زمانے میں لگایا جا سکتا ہے۔

دوردرشن کے میٹرو چینل پر سریندر پرتاپ سنگھ کے ذریعہ شروع ہوا خبروں پر مبنی پروگرام "آج تک" نہایت مقبول ہوا۔ اس پروگرام میں پہلی بار خبروں کو دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا تھا۔ سریندر پرتاپ سنگھ کی ناگہانی موت کے بعد راہل دیو اور اب ونجے اور الکا وغیرہ کے ذریعہ یہ پروگرام پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ گذشتہ کئی سالوں سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ اگرچہ اسی طرح کا خبروں اور

حالات حاضرہ پر مبنی کئی پروگرام یعنی "دلی آج تک، گاؤں آج تک" اور "صبح آج تک" کے عنوان سے شروع کئے گئے لیکن ناظرین کی بے توجہی کی وجہ سے انہیں بند کر دینا پڑا۔

اسٹار پلس پر خبروں کے علاوہ خبروں کے تفصیلی جائزے کا ایک پروگرام، "آج کی بات" کے نام سے شروع کیا گیا۔ رجت شرما کے ذریعہ پیش کئے جانے والے اس پروگرام میں دن بھر کی خبروں کا تفصیل سے جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس پروگرام کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ ہندی کا ایسا واحد پروگرام ہے جس کا عنوان سب سے پہلے اردو زبان میں ٹیلی ویژن اسکرین پر آتا ہے۔ رجت شرما کے ذریعہ ہی دوسرا پروگرام "ہفتہ کی بات" کے عنوان سے نشر کیا جاتا ہے۔ جس میں ہفتے بھر میں وقوع پذیر حالات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی اس میں انسانی دلچسپی کے موضوعات پر بھی کچھ منتخب چیزوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

دور درشن میٹرو پر اردو خبروں کا بھی ایک بلیٹن روزانہ نشر کیا جاتا ہے جب کہ ہندی اور انگریزی میں خبروں کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے۔ اگرچہ آج چوبیس گھنٹے خبروں کو نشر کرنے والے چینلوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ بی بی سی، سی این این کے علاوہ اسٹار نیوز، زی نیوز کے بعد اب دور درشن کے خصوصی نیوز چینل کی نشریات بھی شروع ہو چکی ہیں۔

خبروں کے ساتھ ہی تہذیب و ثقافت پر مبنی پروگرام مختلف چینلوں پر نشر کئے جارہے ہیں۔ لیکن ان سب میں سب سے مقبول پروگرام "سور بھی" کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ حالانکہ "انڈین ہولی ڈیز" اور "امول انڈیا شو" بھی اسی قسم کے پروگرام ہیں۔

سور بھی

پچھلی ایک دہائی میں ٹیلی ویژن کی دنیا میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہوئی ہے اور اسکی مقبولیت کا گراف تیزی سے اوپر گیا ہے۔ درجنوں نئے چینلوں کی نشریات شروع ہو گئی ہیں اور سٹیلائٹ چینلوں کے مابین گردن کٹ (Cut throat) قسم کی مقابلہ بازی جاری ہے۔ اسی مقابلہ آرائی

کے تحت تقریباً ہر چینل پر "بولڈ اینڈ بیوٹی فل" کی طرز پر بنے بولڈ اور عریاں سیریلوں کا بول بالا ہے۔ کسی نے اگر اس سے ہٹ کر کچھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ ہیں ناجائز تعلقات اور ان کے ارد گرد گھومتی کہانیاں۔ آج حالت یہ ہے کہ اگر چند سیریلوں کو بغیر عنوان کے دیکھا جائے تو یہ بتانا مشکل ہو جائے گا کہ سبھی الگ الگ ہیں یا پھر ایک کہانی کے مختلف روپ۔

اسی مقابلہ آرائی اور عریانیت کے درمیان دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر ہونے والے سیریل "سوربھی" کی بھی مثال ہے جو نہ صرف ہندوستانی تہذیب و ثقافت پر مبنی ہے بلکہ ناظرین کے درمیان کافی مقبول بھی ہے۔ آج جب کہ بیشتر چینلوں پر دن رات پروگرام نشر ہو رہے ہیں اور ناظرین کے پاس ایک ہی وقت میں دیکھنے کے لئے کئی پروگرام موجود ہیں ایسی حالت میں "سوربھی" کو ہر ہفتے ایک لاکھ سے بھی زیادہ ناظرین کے خطوط موصول ہونا خود میں حیرت انگیز ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ مقابلہ جاتی پوسٹ کارڈ کی قیمت تین روپے ہو چکی ہے۔ "سوربھی" نے اب تک مقبولیت اور کامیابی کے کئی ریکارڈ قائم کئے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ ایک تہذیبی اور ثقافتی پروگرام پچھلے سات برسوں سے ایک ہی چینل پر نشر ہو رہا ہے بلکہ ناظرین شروع سے ہی پیش کنندہ (Presenter) کے طور پر سدھارتھ کک اور رینو کا شہانے کو ہی دیکھ رہے ہیں جو آج تک ہندوستان میں کسی بھی سیریل کے ساتھ نہیں ہوا ہے۔

یوں تو "سوربھی" کی ابتداء فروری 1984 عیسوی میں ہی ہوئی تھی جب سدھارتھ کک نے اس کی شروعات کی تھی۔ تب لوگوں میں اس کی کامیابی کو لے کر شکوک و شبہات کی سی کیفیت تھی اور کئی لوگوں نے ایسا سیریل نہ بنانے کی صلاح بھی دی تھی۔ اس طرح چھ سال پس و پیش میں گذر جانے کے بعد 1990 عیسوی میں انہوں نے اس کی شوٹنگ شروع کی اور دسمبر 1990 عیسوی میں انہوں نے اس کا منصوبہ دوردرشن کو پیش کیا۔ جلد ہی اس کی منظوری مل جانے کے بعد فروری 1991 عیسوی میں اس کی نشریات شروع ہو گئیں۔ قسط اول سے ہی ناظرین سے تہذیب و ثقافت پر مبنی سوال پوچھنے کا سلسلہ شروع ہوا جو آج بھی اسی طرح جاری ہے۔ اس سیریل کی مقبولیت کے متعلق سدھارتھ کک کہتے ہیں:

"پہلی قسط میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں صرف 250 خطوط موصول ہوئے تھے جن

کی تعداد ایک ماہ میں 750 اور چار ماہ میں 25000 ہو چکی تھی۔"

(یگ شری ٹیلی ویژن، اگست 1997 عیسوی، صفحہ 54)

45 قسطوں کے بعد اسکی نشریات اچانک بند کر دی گئیں۔ لیکن ناظرین کے درمیان اس کی بے پناہ مقبولیت اور مستقل فرمائش کی بناء پر جنوری 1993 عیسوی میں اس کی نشریات دوبارہ بحال کر دی گئیں جس کا سلسلہ لگاتار جاری ہے۔

اگست 1993 عیسوی میں ایک سوال کے جواب میں ایک لاکھ پانچ ہزار خطوط موصول ہوئے تھے۔ مارچ 1994 عیسوی میں ایک ہفتے میں ساڑھے چودہ لاکھ ناظرین کے خطوط موصول ہوئے جو ایک بڑا ریکارڈ ہے جس کی بنیاد پر اس کا نام "لمکا بک آف ریکارڈز (Limca Book of Records) میں درج ہوا ہے۔

سدھار تھ کک نے وقتاً فوقتاً اس پروگرام میں تبدیلیاں بھی کی ہیں اور ہمیشہ اس میں ایک نیا پن لانے کی کوشش کی ہے۔ اس میں آئی تبدیلیوں کے بارے میں سدھار تھ کک بتاتے ہیں۔

"تبدیلی ایک مستقل عمل ہے جو پروگرام کے ساتھ اس کے بنانے والوں اور ناظرین میں بھی واقع ہوتی ہے۔ ناظرین کے خطوط سے جو ہمیں فیڈ بیک ملتی ہے اسی کے مطابق ہم اس پروگرام میں تازگی برقرار رکھنے کے لئے تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں۔ شروع میں یہ پروگرام کافی سنجیدہ موضوعات پر مبنی تھا۔ لیکن دھیرے دھیرے اسے دلچسپ بنایا گیا۔ باہر کے ملکوں میں بھی شوٹنگ کرنے لگے ہیں۔ اب ہم موقع و محل کے اعتبار سے ناچتے گاتے بھی ہیں۔ کل ملا کر اس پروگرام کو ایک بین الاقوامی شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے لیکن ہم نے ہندوستانی تہذیب سے اپنے رشتے کو بھی مزید مضبوط کیا ہے"۔ (یگ شری ٹیلی ویژن، اگست 1997 عیسوی، صفحہ 54)

اس پروگرام کا بنیادی مقصد ہندوستانی ناظرین کو تفریح کے ساتھ ساتھ معلومات بہم پہنچانا بھی ہے۔ ہر قسط میں نئی تلاش و تحقیق کے ذریعہ ناظرین کی معلومات میں مزید اضافہ کیا جا رہا ہے۔ بڑے بڑے رہنماؤں اور عالمی شہرت یافتہ شخصیتوں کے مذاکرے اور ان کے جذبات و خیالات کو نشر کر کے ناظرین کو ان کی زندگی سے کچھ سیکھنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ تبت کے مذہبی رہنما، دلائی لاما کا انٹرویو نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر کئی ملکوں میں کافی توجہ سے دیکھا گیا۔ اسی طرح مدر ٹریسا سے

کئے گئے مذاکرے کو بھی ناظرین نے کافی پسند کیا تھا۔ اس میں تاریخی واقعات کو بھی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی دنیا کے مختلف ملکوں میں مختلف قبائل کے رہن سہن کی بھی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔ انسانی دلچسپی کی کہانیوں کو پیش کر کے ناظرین کے لئے تفریح کا سامان مہیا کیا جاتا ہے۔ بدلتے وقت کے ذائقے کے ساتھ اس پروگرام کی تکنیک میں بھی بہت سدھار آیا ہے۔ تصویروں کو بھی صاف اور واضح دکھایا جانے لگا ہے۔ پرانے قلعوں اور تاریخی عمارتوں کو عمدہ قسم کے کیمروں سے کافی باریکی سے دکھایا جارہا ہے۔ دوسرے چینلوں پر نشر ہونے والے پروگراموں کے تحت "سور بھی" میں بھی تبدیلیاں آئی ہیں اور اب پروگرام پیش کرنے والی لڑکیاں ساڑی کے بجائے جینس اور ٹی شرٹ میں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ آؤٹ ڈور شوٹنگ کا رجحان بھی تیزی سے بڑھا ہے۔ بلاواسطہ طور پر کبھی سمندر کے ساحلی کناروں پر تیراکی کے لباس میں لڑکیوں کو بھی دکھایا جاتا ہے اگرچہ کہانی کو بھی ان سے کسی نہ کسی شکل میں وابستہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح ایسی تکنیک استعمال کی جاتی ہے جس سے اس پروگرام کی تازگی برقرار رہے۔

اس سیریل میں اردو ملی جلی عام فہم زبان ہی استعمال کی گئی ہے۔ سدھار تھ کک ضرورت کے مطابق فارسی یا کتبات پر لکھی عربی زبان بھی پڑھ کر سناتے ہیں۔ اکثر ماہرین آثار قدیمہ اور غیر ملکی لوگوں کو ان کی اپنی زبان میں بات کرتے بھی سنا جاتا ہے۔ انگریزی کا استعمال بھی کثرت سے ہوا ہے۔ ہندی کے اس پروگرام میں دیگر کئی زبانوں کا استعمال بھی وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے جو موقع و محل کی مناسبت سے ضروری ہے۔

دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر ہورہے اس پروگرام کو سدھار تھ کک نے خود ہی بنایا ہے جب کہ مختلف قسطوں میں ہدایت کاری کے فرائض نیر جاراؤ کے علاوہ ڈاکٹر جینت نارلیکر نے ادا کئے ہیں۔

سماجی واخلاقی موضوعات پر مبنی معلوماتی پروگرام

ایک طرف جہاں ٹیلی ویژن پر مزاحیہ سیریلوں کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور ان کے ساتھ ہی جرائم و سسپنس اور رنگین سیریلوں کا رجحان بھی تیزی سے فروغ پارہا ہے وہیں دوسری طرف کچھ ایسے لوگ بھی ہمارے سماج میں موجود ہیں جو سماجی موضوعات پر معلوماتی سیریلوں اور ٹیلی فلموں کے ذریعہ ناظرین میں بیداری لانے کی کوشش کررہے ہیں۔ خطرناک اور مہلک بیماریوں سے بچاؤ کے طریقوں کے ساتھ ساتھ ناظرین کو ان کے فرائض اور حقوق سے آگاہ کرنے کی کوشش بھی کی جارہی ہے۔ ایڈس جیسا لاعلاج مرض ہمارے ملک میں بھی تیزی سے پھیلتا جارہا ہے اور آج ہندوستانی عوام میں اس کی جانکاری بہت کم ہے۔ آج مختلف ادارے اس سلسلے میں لوگوں کو آگاہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اسی طرح کے موضوعات پر مبنی چند سیریلوں اور ٹیلی فلموں کی مختصر تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

صرف ایک بوتل خون :

دوردرشن کے نیشنل چینل پر یہ ٹیلی فلم نشر کی گئی جس میں ایڈس سے متعلق معلومات اور ان سے بچاؤ کے طریقوں کی تفصیلی جانکاری فراہم کی گئی۔

اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ آدتیہ نامی ایک نوجوان ایک سڑک حادثے کا شکار ہوجاتا ہے اور اسپتال میں جو خون اسے دیا جاتا ہے اس میں ایڈس کے وائرس ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ بھی اس مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس کی زندگی میں کس طرح تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور کس طرح اس کے اپنے ہی اس سے ناطہ توڑ لیتے ہیں۔ ان سب چیزوں کو بہت تفصیل سے دکھایا گیا ہے اور ناظرین کو ایڈس سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

ایڈس کے ہی موضوع پر ایک اور ٹیلی فلم "پھیلتا زہر" کے عنوان سے بھی دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر کی گئی جس میں نوجوانوں کو یہ پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ذرا سی موج و مستی

سے ان کی زندگی ہمیشہ کے لئے تاریک ہو سکتی ہے۔

کالا زہر :

آج بڑے شہروں میں فضائی آلودگی کا مسئلہ تیزی سے بڑھتا جارہا ہے جو ہر سال ہزاروں اموات کا سبب ہے۔ ان شہروں میں رہنے والے لوگوں کی صحت پر بھی اس کا برا اثر پڑ رہا ہے اور اس سے متعلق بیماریاں بہت تیزی سے بڑھتی جارہی ہیں۔ دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر کی گئی اس ٹیلی فلم میں فضائی آلودگی کے بڑھتے خطرات سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی فضا کو آلودہ کرنے والے عناصر کی طرف بھی ناظرین کی توجہ مرکوز کرائی گئی ہے تاکہ ہر شخص اس سے ہورہے نقصانات کی طرف سنجیدگی سے غور کر کے اسے کم کرنے کی حتی الامکان کوشش کرے۔

گرا ایک دوست :

تحریک صارفین (Consumerism) کی اس اندھی دوڑ میں صارفین کے حقوق کی پامالی ہورہی ہے۔ چیزیں غیر معیاری اور خراب نکل جاتی ہیں جس سے خریدار کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ آج ان مسائل سے تقریباً ہر شخص پریشان ہے کیونکہ لاعلمی کے سبب وہ کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا ہے۔ اس طرح کے مسائل کو اس سیریل میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔ اس میں صارفین محافظ قانون 1986 عیسوی کی بنیاد پر ناظرین کو ان کے حقوق کی جانکاری دی جاتی ہے۔

ہدایت کار نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ موضوع کے اعتبار سے کہیں یہ سیریل خشک نہ ہو جائے اس لئے موضوع سے متعلق تمام پہلوؤں کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا گیا ہے جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ معلومات بھی فراہم کرتا ہے کہ کس طرح صارفین ایسی کسی بھی صورت حال میں صارفین عدالتوں کا سہارا لے کر معاوضے کے مقدمے دائر کر سکتا ہے۔

اسی موضوع پر زی ٹی وی نے "ہیلپ لائن" کے عنوان سے ایک طویل سیریل نشر کیا ہے جس میں ناظرین کو مختلف معاملات کی جانکاری دی گئی ہے۔ اس میں صارفین کے حقوق اور ان سے متعلق قوانین کو بھی تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

آسماں اور بھی ہیں :

دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر ہوئے تیرہ قسطوں کے اس سیریل میں قومی تعلیمی مشن کے تحت سنجیدگی سے کام کرنے والوں کی کہانیاں بیان کی گئیں۔ ملک کے الگ الگ صوبوں میں اس تعلیمی مشن سے جڑے شہرت یافتہ لوگوں جیسے ورشا امین، پاروبائی، اور ملکہ بیگم وغیرہ کی خدمات کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اس سیریل کی ہر قسط میں ایک شخصیت کی کہانی دکھائی گئی ہے کہ کس طرح پریشانیوں اور مشکلات کے باوجود ان لوگوں نے اس مشن کو آگے بڑھانے اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں میں علم کی شمع روشن کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اور آج بھی یہ لوگ اس مشن کے ذریعہ جہالت کی تاریکی کو دور کرنے میں کوشاں ہیں۔ اس سیریل میں ناظرین کے لئے بھی یہ پیغام موجود ہے کہ اگر ہر تعلیم یافتہ شخص تھوڑی کوشش کرے تو اس ملک سے جہالت کی تاریکی کو بالکل ختم کیا جا سکتا ہے۔

احساس :

دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر ہوئی اس ٹیلی فلم میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آج کا انسان صرف اپنے مفاد کی خاطر زندہ ہے وہ اپنے مقصد کے حصول کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار رہتا ہے۔ اس میں ایک ایسے شخص کی کہانی دکھائی گئی ہے جو صرف اپنے لئے جیتا ہے۔ اسے دوسروں کی تکلیفوں اور مشکلات سے کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن جب وہ خود مصیبتوں میں گرفتار ہوتا ہے تو اس کا

ضمیر اسے ملامت کرتا ہے۔

اس فلم میں بڑے دلچسپ انداز میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کسی بھی انسان کی پوری شخصیت دوسروں کی مدد کرنے اور خدمت خلق سے ہی ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس میں یہ پیغام بھی دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ کامیاب انسان وہی ہے جس کی ضرورت دوسرے لوگ محسوس کرتے ہوں۔

یہ سنسار ہے :

خاندان میں آپسی اتحاد کے موضوع پر یہ ٹیلی فلم دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر کی گئی۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کوئی بھی خاندان شوہر وبیوی کے آپسی پیار و محبت سے ہی کامیاب ہوتا ہے۔ شوہر وبیوی کے مابین کسی بھی قسم کے تضاد یا تصادم کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اگر اس رشتے میں ذرا بھی شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں تو پھر خاندان کے شیرازے بکھر جاتے ہیں۔

اس میں ایک خاندان کی کہانی دکھائی گئی ہے جہاں صرف میاں بیوی کے درمیان تکرار کی بناء پر خاندان کا ہر فرد متاثر ہوتا ہے اور ایک مثالی خاندان ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔ اس میں یہ پیغام دیا گیا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان غلط فہمی کو جلد از جلد دور کیا جانا چاہئے کیونکہ اس رشتے میں آنیوالی دراڑ خاندان کے ہر فرد کے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔

میرے اپنے :

انسانی قدروں اور زندگی کی معنویت پر مبنی یہ سیریل دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر کیا گیا۔ اس میں بچوں کی پرورش وپرداخت کو خاص موضوع بنایا گیا ہے۔

اس سیریل میں یہ دکھایا گیا ہے کہ بچے اپنے والدین کے نقش قدم پر ہی چلتے ہیں۔ وہ ان

چیزوں کی نقل کرتے ہیں جو اپنے والدین کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ بچے اپنے والدین سے ہی جینے کا ہنر سیکھتے اور بڑے ہو کر ان پر کاربند ہوتے ہیں۔ ایک خاندان کی کہانی پیش کر کے اس سیریل میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ بچوں کی صحیح تربیت انہیں ایک بہتر انسان بنا سکتی ہے۔ واضح طور پر یہ پیغام دیا گیا ہے کہ بچے گیلی مٹی کی طرح ہوتے ہیں کہ انہیں جیسی شکل دی جائے گی وہ اسی میں ڈھل جاتے ہیں۔

پیسہ :

دوردرشن کے میٹرو چینل پر نشر ہوئے اس سیریل میں یہ دکھایا گیا ہے کہ انسان کس طرح پیسے کے لالچ میں جائز و ناجائز کا فرق بھول گیا ہے اور دن رات اس کے حصول کے لئے کوشاں ہے۔

اس میں ایک ایسے شخص کی کہانی دکھائی گئی ہے جو ہر وقت امیر بننے کے خواب دیکھتا رہتا ہے اور جب اس کو دولت ملتی ہے تو زندگی کی حقیقی خوشیاں اس سے دور ہو جاتی ہیں۔ اسے سکون کی نیند بھی نصیب نہیں ہوتی اور اس طرح دولت اس کے لئے زحمت بن جاتی ہے۔

اس سیریل میں یہ پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ پیسہ مل جانے پر بھی انسان زندگی کی حقیقی خوشیاں حاصل نہیں کر سکتا ہے اور پیسے کی خاطر بھاگ دوڑ کرنے والوں کا انجام برا ہوتا ہے۔

اجالا :

دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر ہوئے اس سیریل میں زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس سیریل میں ایک ایسے آدی واسی جنگلی قبیلے کو دکھایا گیا ہے جو صدیوں سے جدید سماج سے دور گمنامی کی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ پرانے رسم و رواج کے علاوہ عورتوں کے خلاف مظالم کی بدترین

مثال یہاں موجود ہے۔ جب یہاں ایک اسکول ٹیچر کی مدد سے تبدیلیوں کا عمل شروع ہوتا ہے تو قبیلے کے لوگ اس کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس ٹیچر کے والدین کو قتل کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ خوفزدہ ہو کر وہاں سے چلا جائے۔ لیکن اپنے عزم وایثار اور کاوشوں سے اسکول ٹیچر وہاں کے فرسودہ رواجوں کو ختم کرتا ہے، تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور معاشرہ اچھائی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ تاریکی کا دور ختم ہوتا ہے اور قبیلے کے لوگ اب مہذب زندگی گذارنے لگتے ہیں۔ عورتوں کے خلاف مظالم کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔

اس طرح اس سیریل میں ناظرین کو یہ پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ عزم مصمم سے انسان بادِ مخالف کا رخ بھی بدل سکتا ہے۔

اسٹار بیسٹ سیلر (اونچا کون):

اسٹار پلس پر نشر ہونے والے ایک گھنٹے کے سیریل "اسٹار بیسٹ سیلر" کے سلسلے کے تحت "اونچا کون" کے عنوان سے ایک باپ بیٹے کی سبق آموز کہانی دکھائی گئی تھی۔

اس کہانی میں یہ دکھایا گیا ہے کہ بارہ سال کا ایک لڑکا کسی اسکول میں پڑھتا ہے۔ اس کا باپ ایک پستہ قد انسان ہے جسے اس کی بیوی بھی چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ لڑکا اپنے باپ کے قد و قامت کی وجہ سے طنز کا نشانہ بنتا اور خود کو کمتر محسوس کرتا ہے اور اسے اپنے اسکول آنے سے بھی منع کرتا ہے تاکہ اس کے دوستوں کی نظر کبھی اس کے باپ پر نہ پڑ جائے۔ وہ اپنے پڑوسی انکل کو اپنی کلاس ٹیچر کے سامنے اپنے باپ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ اسکول کے فنکشن میں بھی وہ اپنے پڑوسی انکل کو ساتھ لے جانے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے باپ سے ہمیشہ ناراض رہتا ہے۔ لیکن باپ کی بے پناہ محبت آخر کار لڑکے کو اس کے باپ کی طرف راغب کرتی ہے اور پھر وہ بھی اپنے باپ کی عزت کرنے لگتا ہے۔

یہ پوری کہانی بہت جذباتی انداز میں پیش کی گئی ہے اور یہ پیغام دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے قد و قامت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی سوچ، فکر اور خیالات سے بڑا ہوتا ہے۔ کسی

بھی شخص کو اپنے قد کو طویل یا پست کرنے کا اختیار نہیں ہے اسلئے کسی شخص کی عظمت کا دارومدار اس کے قد و قامت کے بجائے اس کی پوری شخصیت پر ہوتا ہے۔

اسٹار پلس پر اس سلسلے کے تحت ہر ہفتے مختلف سماجی و اخلاقی موضوعات پر کہانیاں پیش کی جارہی ہیں۔

مسنگ (Missing) :

سونی چینل پر نشر ہونے والا یہ سیریل گمشدہ لوگوں کی تفصیل کو پیش کرتا ہے۔ اس میں ان حالات کو بھی ڈارمائی انداز میں پیش کیا جاتا ہے جس کے تحت یہ لوگ اپنا گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس سیریل میں بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کے حالات مع تصاویر نشر کئے جاتے ہیں اور ناظرین سے یہ گزارش کی جاتی ہے کہ وہ ان گمشدہ لوگوں کے بارے میں اگر کوئی معلومات رکھتے ہوں تو اس کی خبر تلاش گمشدہ کے مراکز کو بھیج کر ان ماں باپ یا خاندانوں پر احسان کریں جن کے یہ چشم و چراغ ہیں۔ ابھی حال ہی میں ایک گمشدہ لڑکے کو اس پروگرام کی وجہ سے اس کے والدین تک پہنچانے میں مدد ملی ہے۔

مشہور فلمی اداکار جیکی شراف کے ذریعہ پیش کیا جانے والا یہ پروگرام ہمارے معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں ہے۔

ایک گھر آس پاس :

دوردرشن کے نیشنل چینل پر نشر ہوئے اس سیریل میں ذہنی و جسمانی طور پر مفلوج لوگوں کی کہانی پیش کی گئی ہے۔

اس سیریل کی ابتدائی تیرہ قسطوں میں ایک مفلوج لڑکے کی کہانی دکھائی گئی ہے کہ کس

طرح وہ اپنے روزمرہ کے معمولات پورے کرتا ہے۔ اس کے دل میں بھی دوسرے بچوں کی طرح تعلیم حاصل کرنے اور کچھ کر دکھانے کا جذبہ پنہاں ہے لیکن اپنی جسمانی مجبوری کے تحت وہ اس پر پوری طرح عمل پیرا نہیں ہو سکتا ہے۔ تیرہ قسطوں کے بعد ایک مفلوج لڑکی کی کہانی بھی اسی طرح پیش کی گئی ہے جو اپنے حالات سدھارنے کی مستقل جدوجہد کرتی نظر آتی ہے۔

علی باقر کے ذریعہ بنایا گیا یہ سیریل ناظرین کو یہ پیغام دیتا ہے کہ جسمانی طور پر مفلوج انسان بھی اپنی محنت اور جدوجہد سے اپنا مقصد حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ وہ بھی ہمارے معاشرے کا ایک حصہ ہیں۔

اچھوت :

دوردرشن کے نیشنل چینل پر دکھائی گئی اس ٹیلی فلم میں بھارت، نیپال سرحد پر جلد کے مریضوں کی بڑھتی تعداد کو خاص موضوع بنایا گیا ہے۔ اس فلم میں ان مریضوں کے سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل کے ساتھ ساتھ ان کی بازآبادکاری کے مسئلے کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔

اس فلم کی کہانی رام کلی نامی لڑکی کے اردگرد گھومتی ہے جس کی ماں مر چکی ہے اور باپ نے دوسری شادی کر لی ہے۔ سوتیلی ماں اسے پریشان کرتی اور اذیتیں دیتی ہے۔ رام کلی دو وقت کی روٹی کے لئے ایک عمارت کی تعمیر میں مزدور کا کام کرتی ہے۔ اس کے پڑوسی مہندر کو رام کلی پر ہونے والے ظلم و ستم کا علم ہے۔ ہمدردی کے جذبے کے تحت وہ رام کلی سے دوستی کرتا ہے اور بعد میں دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ ادھر رام کلی کے ہاتھوں اور چہرے پر ابھر آئے نشانات کو دکھانے کے لئے مہندر اسے ایک ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہے جو معائنے کے بعد یہ بتاتا ہے کہ اسے جلد کی بھیانک بیماری ہو گئی ہے۔ یہ سن کر مہندر پریشان ہو جاتا ہے۔

ایک دن رام کلی اپنی پڑوسن کے پوچھنے پر اسے یہ بات بتا دیتی ہے جسے سن کر اس کی پڑوسن گھبرا جاتی ہے اور فوراً وہاں سے چلی جاتی ہے۔ دھیرے دھیرے یہ بات سارے گاؤں میں پھیل جاتی

ہے۔ گاؤں والے رام کلی کو گھر چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ رام کلی اکیلی بھٹکتی رہتی ہے۔ راستے میں جرائم پیشہ افراد اس کی عزت لوٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کسی طرح بچ بچا کر رام کلی وہاں سے نکل بھاگتی ہے اور خودکشی کرنے کے ارادے سے وہ ڈاکٹر ورما کی کار سے ٹکرا جاتی ہے۔ ڈاکٹر ورما اسے زخمی حالت میں اٹھا کر اپنے اسپتال لاتے ہیں جہاں اس کا علاج ہوتا ہے اور رام کلی پوری طرح ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اس کے ہاتھوں اور چہرے کے داغ بھی غائب ہو جاتے ہیں اور وہ اسی اسپتال میں رہ کر مریضوں کی دیکھ بھال کرنے لگتی ہے۔

رام کلی کو اپنے شوہر کی بہت یاد آتی ہے اور ایک دن جب وہ اپنے گاؤں لوٹنے کے لئے اسٹیشن پہنچتی ہے تو اس کی ملاقات مہندر سے ہو جاتی ہے۔ مہندر اپنی بیوی کے غم اور جدائی میں شرابی بن چکا ہے۔ رام کلی اسے لے کر دوسری جگہ چلی جاتی ہے۔ اب وہ اس گاؤں میں لوٹنا بھی نہیں چاہتی جہاں سے لوگوں نے اسے دھکے دے کر نکال دیا تھا۔ مہندر اور رام کلی مل کر جلد کے مریضوں کے لئے ایک اسپتال قائم کرتے ہیں جہاں ایسے مریضوں کا علاج کر کے انہیں روزگار کے وسائل فراہم کرائے جاتے ہیں۔ اس نیک کام سے رام کلی کو کافی عزت و شہرت ملتی ہے۔ ایک دن گلی میں بھیک مانگتی اس کی سوتیلی ماں بھی مل جاتی ہے جسے رام کلی اپنے گھر لاتی ہے اور پھر یہ سبھی لوگ خوشی خوشی مریضوں کی خدمت میں لگ جاتے ہیں۔

اس فلم میں جلد کے مریضوں کی بڑھتی تعداد اور ان کے لئے علاج کی سہولتوں کی کمی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ساتھ ہی اس میں خدمت خلق کے جذبے کو بھی ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اختتامیہ

آج ترقی کے نام پر ہندستانی معاشرے میں جو تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں اس کی وجہ سے پورے سماجی اور معاشی نظام میں ایک ہلچل سی مچ گئی ہے۔آزادی کے بعد ملک نے ٹکنالوجی کے میدان میں نمایاں ترقی کی ہے۔ مواصلات کے ذرائع مزید بہتر ہوئے ہیں۔ لیکن سماجی، تہذیبی اور اخلاقی اعتبار سے ہم نے بہت کچھ کھویا ہے۔خاندانوں میں دراڑ آئی ہے،انسانی جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے۔ماں،باپ، بھائی بہن سے لے کر قرابت داری اور دوستی تک کے مفہوم تبدیل ہو گئے ہیں۔ نئے اصول واقدار کے بہانے ہندستانی سماج میں نئی چیزوں نے جنم لیا ہے اور نتیجے کے طور پر اوسط طبقے کا انسان اپنی زندگی کے لئے لگاتار جدوجہد کر رہا ہے۔

ایسے حالات میں اس صدی کے سب سے اہم مواصلاتی وسیلے، ٹیلی ویژن کا کردار نہایت اہم ہے۔ ساتھ ہی وہ تمام پروگرام اور سیریل بھی اہمیت رکھتے ہیں جو ہمارے سماج کے ایک بڑے طبقے کو متاثر کر رہے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج بیشتر سیریل اور دیگر پروگرام اپنی سماجی ذمہ داریوں سے کوسوں دور ہیں اور ایک ایسے طبقے کو فروغ دے رہے ہیں جو صرف اپنے لئے ہی جینا چاہتا ہے۔ آج انسانی رشتوں کا مفہوم بدل گیا ہے، مرد و عورت کے رشتوں میں گہرائی تلاش کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

شروع میں سیریل اپنی کہانی اور کرداروں کے زور پر چلتے تھے۔ مگر آج کے سیریل بازار اور تجارتی مصنوعات کی بنیادوں پر چل رہے ہیں۔ پہلے سیریلوں کو سہارا دینے والے اشتہارات الگ ہوتے تھے جب کہ آج سیریل بھی اشیاء کی مانند ہیں اور ان اشیاء کی بازاری ضرورتوں کے مطابق ہی سیریل کو بنایا جاتا ہے۔ ان سیریلوں کے زیر اثر آج ہمارے معاشرے میں خاندانوں میں بکھراؤ، ازدواجی رشتوں میں دراڑ، طلاق کی بڑھتی تعداد، جرائم کا بڑھتا رجحان، عریانیت، موقع پرستی، وحشیانہ حرکات

، جنسی بے راہ روی اور بچوں میں خوف و تشدد کا رجحان تیزی سے پنپ رہا ہے۔ بچوں کے ایک مخصوص سیریل، "شکتی مان" کو دیکھنے والے چند بچوں نے شکتی مان سے مدد حاصل کرنے کی غرض سے ایسی حرکتیں کیں جن سے کئی بچوں کی موت واقع ہو گئی۔ اس طرح کے واقعات اکثر سامنے آتے رہتے ہیں۔

اگر ٹیلی ویژن سیریلوں کی تاریخ میں ذرا جھانکیں تو پتہ چلے گا کہ اس کی ابتداء 1984ء میں دوردرشن پر نشر ہوئے سیریل "ہم لوگ" سے ہوئی تھی۔ کچھ ہی دنوں بعد "ایسا بھی ہوتا ہے" جیسا مزاحیہ سیریل بھی شروع کیا گیا۔ لوگ تفریح کے ساتھ ساتھ معلومات کی خاطر ان سیریلوں کی طرف راغب ہوئے۔ گاؤں اور اوسط طبقے کے انسانوں کی زندگی کو ٹیلی ویژن پر دیکھ کر لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ "ہم لوگ" کی بے پناہ مقبولیت کا سبب یہ تھا کہ اس کی کہانی ہر شخص کو اپنے گھر اور سماج کی کہانی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بعد سیریلوں کا یہ رجحان فروغ پاتا گیا۔ اور "نکڑ، راگ درباری، بنیاد، فوجی، سرکس، انتظار، کشمکش" وغیرہ نشر ہوئے۔ یہ سبھی سیریل "ہم لوگ" کی بنیاد پر ہی بنائے گئے تھے اور ان میں بھی اوسط طبقے کے انسانوں کی کہانی ہی پیش کی گئی تھی۔ اس وقت ہندوستان میں ٹیلی ویژن کے نام پر دوردرشن کا صرف ایک چینل موجود تھا۔ لیکن 1992ء میں زی ٹی وی کی شروعات نے سیریلوں میں تبدیلی لائی اور اس نے دوردرشن کی راہ چلنے کے بجائے اپنی ایک الگ راہ بنائی۔ آزاد روش لوگوں کی زندگی پر مبنی سیریلوں کو نشر کیا جانے لگا۔ شہری زندگی کو دکھانے کا رجحان بڑھا اور Focus گاؤں سے نکل کر شہر کو چلا گیا۔ شہری رہن سہن کو بنیادی موضوع بنایا گیا اور مار پیٹ کہانی کا جز قرار پائے۔ اس طرح ٹیلی ویژن کے پروگراموں میں تبدیلی آئی اور پھر چینلوں کی یکے بعد دیگرے آمد شروع ہوئی۔ اسٹار ٹی وی، سونی، اے ٹی این اور ایم ٹی وی وغیرہ نے اپنی نشریات شروع کیں۔ سیریلوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا اور ہر عمر و طبقے کے لوگوں کے لئے مخصوص پروگرام شروع ہوئے۔ ایم ٹی وی نے تو شہروں میں ایک نئی نسل کو ہی فروغ دیا۔

مختلف چینلوں کی آمد کے ساتھ ہی ان میں آپسی جنگ شروع ہوئی۔ زی ٹی وی نے سب سے آگے رہنے کی کوشش میں وہ سب دکھانا شروع کیا جو دوردرشن سرکاری بندشوں کی وجہ نہیں دکھا سکتا تھا۔ تہذیب اور اخلاقیات کی سرحدوں کو پار کرتے ہوئے پروگراموں کو دیکھ کر ناظرین ششدر رہ

گئے۔ زی کے علاوہ سونی اور اسٹار پلس نے بھی ایسے ہی پروگراموں کو فروغ دیا جن میں عریانیت اور عورتوں کی ننگی تصویروں کے علاوہ شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے ناجائز تعلقات، شادی سے قبل کے جسمانی رشتے، زنا بالجبر، شراب و سگریٹ کا آزادانہ استعمال، قتل و غارتگری، سیاست دانوں کے غیر اخلاقی رویے، چوری، جوا اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ازدواجی رشتوں کا ٹوٹنا وغیرہ ہی بنیادی موضوعات تھے۔ بندشوں اور سخت اصولوں و ضوابط کے باوجود دوردرشن نے بھی اپنے اعلیٰ افسران کی موقع شناسی کے تحت اس میدان میں قدم رکھا اور ''جنون، سوابھی مان'' اور ''شانتی'' جیسے سیریلوں کی نشریات شروع ہوئیں۔ ان سبھی میں عورتوں کے اس روپ کو دکھایا جانے لگا جو ہندوستانی تہذیب اور معاشرے کے بالکل برعکس تھا۔ شراب اور سگریٹ پینے والی عورتوں کے اپنے شوہر کے علاوہ دیگر مردوں سے بھی تعلقات رکھنے اور اسے فخریہ بیان کرنے کی مثالیں عام ہو گئیں۔ پہناوے میں بھی تبدیلی آئی اور گھٹنے سے اونچے اسکرٹ، جسم کے ابھاروں کو واضح کرتے ٹاپ اور تیراکی کے تنگ ترین لباسوں کا رواج عام ہوا۔ مردوں کی حالت بھی بدتر ہوئی۔ بغیر آستین کی بنیان اور کچھے نما نیکروں میں عورتوں کی طرح نخرے کرتے کردار تیزی سے سامنے آئے۔

آج سے دو دہائی قبل تک سماج میں بڑھتے جرائم کا ذمہ دار فلموں کو ٹھہرایا جاتا تھا کیونکہ تب ٹیلی ویژن اتنا عام نہیں ہوا تھا۔ لیکن آج ہر شخص اپنے گھر بیٹھ کر ٹیلی ویژن کے پروگرام دیکھ سکتا ہے جو اب چوبیس گھنٹے کو نشر ہو رہے ہیں۔ کچھ سیریل تو بالواسطہ طور پر نوجوانوں میں ایسے جذبات کو فروغ دے رہے ہیں جو ہمارے معاشرے کے لیے سخت نقصان دہ ہیں۔ جرائم پر مبنی سیریلوں سے نوجوانوں ہی نہیں بلکہ بچوں میں بھی جرم کا رجحان تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔ ڈراؤنے اور مافوق الفطری عناصر پر مبنی سیریلوں سے بچوں میں خوف و ہراس کی کیفیت بڑھتی جا رہی ہے۔ آج بیشتر سیریلوں میں ایسی کہانیاں پیش کی جا رہی ہیں جنہیں آپ اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھ سکتے۔ روایت پسندی کا جواب عموماً ان لفظوں میں سنائی دیتا ہے۔ ''پاپا ممی تو پرانے خیالات کے دقیانوسی لوگ ہیں۔ انہیں تو اب سنیاس لے لینا چاہئے'' ان کے علاوہ ''ممی شٹ اپ'' اور ''پاپا ڈونٹ بی سلی'' جیسے جملے آج سیریلوں میں بھرے پڑے ہیں۔

دوسری طرف ازدواجی رشتوں میں آرہی دراڑ کی مثالیں بھی دیکھنے اور سننے کو ملتی ہیں۔ شوہر

کا بیوی سے یہ کہنا کہ ''تم اب ٹھنڈی ہو چکی ہو۔ مجھے تم سے زیادہ وہ اچھی لگتی ہے'' یا پھر بیوی کی شوہر سے یہ مانگ کہ ''تم تو نامرد ہو، مجھے تم سے آزادی چاہئے'' وغیرہ جملے فیشن کی مانند سیریلوں میں عام ہو گئے۔ چھوٹے بڑے کا لحاظ اور بات چیت کا سلیقہ ختم ہو گیا۔ اصول یہ قرار پایا کہ کوئی کسی بھی طرح مخاطب کرے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مقصد تو بات کہہ جانے کی ہے۔ اس اصول کے تحت مکالموں میں بھی تبدیلی آئی اور ذو معنی الفاظ کا استعمال کثرت سے ہونے لگا۔ مکالموں کو اکثر ادھورا چھوڑا جانے لگا تاکہ سننے والا اپنے اعتبار سے اس کے مطلب نکال سکے۔ گالی گلوچ کا رواج عام ہو گیا۔ ذرا سی بات پر تضحیک اور زبان سے مخالف کے خاندان بھر کی عورتوں کی عصمت دری کرنا معیوب نہیں رہا۔

سیریل بنانے والوں نے زیادہ مقبولیت اور پیسے کی لالچ میں ایک ایسے سلسلے کی شروعات کی جو ہندوستانی معاشرے کے بالکل برعکس تھا۔ سیریلوں کا مقصد تفریح کے نام پر عریانیت اور بے حیائی تک محدود ہو گیا۔ ایک سیریل میں ایک عورت کا یہ جملہ کہ ''یہ میرا پہلا نہیں، گیارہواں شوہر ہے'' آزادی کے نام پر عورتوں کو کیا بتانا چاہتا ہے۔ آزادیٔ نسواں کے نام پر ایک سیریل کی کردار، مسز شیکھر بات بات پر شراب کے جام چڑھاتی اور کلب میں اپنے مرد دوستوں سے گھر نہ جانے کا اعلان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ''پنکھ پھیلا کر اڑنے کی جتنی مہلت مجھے ملتی ہے اتنی دیر میں اس پنجرے کی طرح دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔ آج کی رات میں تمہارے ساتھ رہوں گی'' وہیں دوسری طرف ایک لڑکی کا اپنی ماں سے یہ کہنا کہ ''ممی یہ ہمارا زمانہ ہے۔ آج بچے پیدا کرنے کے لیے شادی کی ضرورت نہیں ہے'' گویا آج ہمارا معاشرہ ٹیلی ویژن کی ایک ایسی دنیا میں زندہ ہے جہاں روایت پسندی معیوب ہے اور جدت پسندی کو اہمیت دی جا رہی ہے۔

جہاں تک ریڈیو کا معاملہ ہے تو اس وسیلے نے سماج میں تعلیم و ترویج کے اپنے عہد کو پورا کیا ہے اور آج بھی یہ معلومات کا سب سے اہم وسیلہ ہے۔ اگرچہ FM چینل نے کسی حد تک ٹیلی ویژن کے اس نئے کلچر کی ہی طرح کچھ پروگراموں سے عریانیت اور مغربی تہذیب کو فروغ دینے کی کوشش کی اور بڑے شہروں میں مخصوص طبقوں تک محدود ہو کر رہ گیا۔ آکاشوانی کے دیگر چینلوں نے اصول پر کاربند ہونے کی وجہ سے ایسے پروگراموں سے گریز کیا جن سے سماج پر برا اثر پڑنے کا خدشہ تھا۔ اس

طرح ریڈیو کا مجموعی کردار مثبت ہی رہا۔

غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ آج ہم فوری طور پر ٹیلی ویژن کے اس نئے رجحان پر پابندی نہیں لگا سکتے اور نہ ہی ہم اسے پہلے کے زمانے میں واپس لے جاسکتے ہیں۔ آج مارکیٹ کی ضرورتوں اور مواصلات کی آفاقیت کے مدنظر تبدیلیاں لازمی ہیں لیکن ہم ان تبدیلیوں کو مثبت رخ پر موڑ کر ٹیلی ویژن کو ذمہ دار بنانے کی کوشش تو کر ہی سکتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ اگر ہم ٹیلی ویژن کے لیے سیریل بنانے والوں کو ان کی سماجی ذمہ داریوں کا احساس دلائیں تو ہمارے معاشرے میں پھیلنے والی برائیوں کا یہ رجحان ضرور کم ہو جائے گا۔

8. SELECTED BIBLIOGRAPHY

Author	Book Name	Publication
1.Anand Mitra	Television and Popular Culture in India: A study of the Mahabharat	Sage New Delhi 1993
2.Andrew Crisell	Understanding Radio	Meutuen, London 1986
3.Ashfaq M. Khan	Awami Zaraye Tarsil	Idaara-e-Tasnif, 1982
4.B. KuppuSwamy	Communication and Social Development in India	Sterling Publishing House 1976
5.Balph Negrine	Satellite Broadcasting: The Politics and Implication of the New Media	London 1988
6.David French & Michael Richards	Contemporary Television : Eastern Perspective	Sage New Delhi 1996
7.Devender Issar	Jan Madhyam : Sampreshan aur Vikas	Indraprastha Publication Delhi 1995
8.Eugene S. Foster	Understanding Broadcasting	Addison Wesley, California 1978
9.G.S. Bhargava	Government Media : Autonomy and After	Concept Pubishing, New Delhi 1991
10.George Gilder	Life after Television : The Coming Transformation of Media and American Life	W.W. Norton, Newyork 1992
11.John B. Bittner	Broadcasting: An Introduction	Prentice Hall, New Jersey 1980

12.K.Anuradha	Television viewing : Its effects on Children's Personal and Educational	Discovery Publishing
13.Marie Gillespie	Television, Ethnicity and Cultural Change	Routledge, London 1995
14.Om Prakash Singh	Jansanchar Madhyamo Ka Prabhav	Classical Publishing Co. New Delhi, 1993
15.P.C Joshi	Culture, Communication and Social Change	Vikas Publication, 1992
16.Pamela Philipose	Radio Programmes of All India Radio	Delhi, 1975
17.Patrick Barwise & Andrew Ehrenberg	Television and its Audience	Sage Publication, London 1992
.18.Pravin Dixit	Jan Madhyam aur Patrakarita	Sahyogi Sahitya Sansthan, Kanpur, 1983
19.Quaiser Shamim	Urdu Adab par Zaraye Tarsil Aama ke Asarat	Author, New Delhi, 1989
20.Radheshyam Sharma	Jansanchar	Haryana Sahitya Academy, 1988
21.Rager Silverstone	Television and Everyday Life	Routledge, New York 1994
22.Raymond Fielding	Technological History of Motion Pictures and Television	
23.Richard Hoggart & Janet Morgan	Future of Broadcasting	MacMillan, London 1982
24.Robert H. Coddington	Modern Radio Broadcasting : Management and Operation in Small to Medium Market	Tab Books, 1979

25.Sevanti Niman	**Through the Magic Window : Television and Change in India**	Penguin Books New Delhi, 1995
26.Shanti Prasad Agarwal	Namaskar (Doordarshan)	Ritambhara Publication, New Delhi, 1993
27.Sharafat Yar Khan	Fundamentals of Broadcasting	Ideal Impressions, New Delhi- 1993
28.Simon Cottle	T.V. News : Urban Conflicts and the Inner City	Leicester University, London 1993
29.Sudesh Pachauri	Doordarshan, Dasha aur Disha	Publications Division, 1994
30.Television in India : A Perspective		Film and Television Institute of India 1978
31.This is All India Radio: A handbook of Radio Broadcasting		Publication Division, 1983
32.William Small	To kill A Messenger : Television News and the Real World	Hastings House, Newyork 1970

XXXXXXXXXX-----XXXXXXXXXX